

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سیدنا محمد و آلہ
و سلم

اشرف العلماء

علامہ محمد امجد علی
سید عالم

ناشر

پبلیکیشن محمد امجد علی

لاہور

اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ الرَّسُوْلِ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

صنف

اشرف العلماء شیخ الحدیث

علامہ محمد اشرف سائوی
زید مجلہ
العالی

بہ فرمائی

عزت مآب مہر غلام دستگیر لک

ناشر

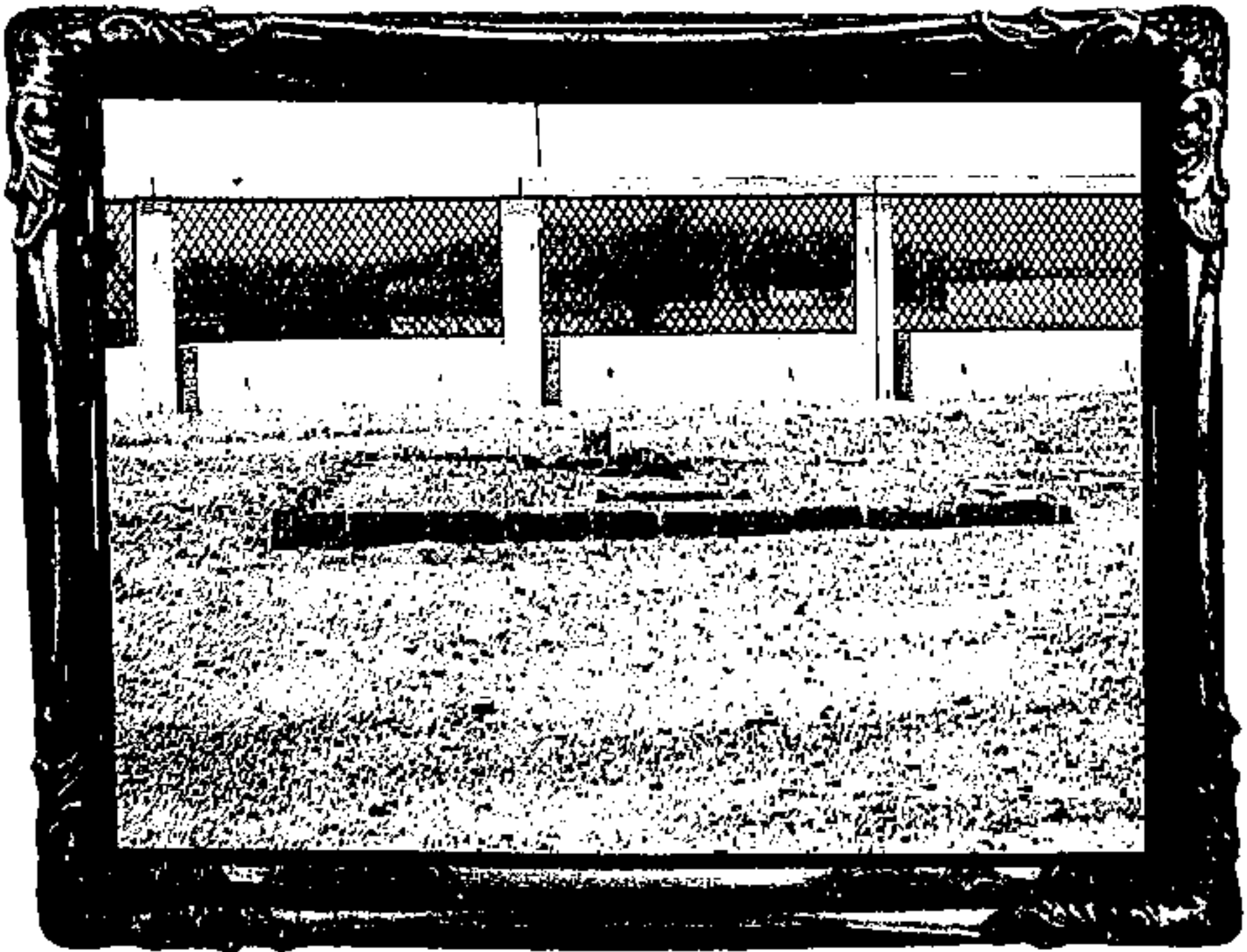
جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام

یونیورسٹی روڈ سرگودھا





ترکوں کے تعمیر کردہ قدیم قبہ کی ایک قدیم تصویر



جبل اُحد کے پہلو میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار پُر انوار

منقبت شریف الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

حضرت حمزہ شہدا
کاشف الكرب ہیں بفضل خدا

جملہ اصحاب یوں تو آقا کے
صاحب رشد ہیں نجوم ہدی

دودھ بھائی ہیں اور عزم رسول
شان ہے آپ کی یہ سب سے جدا

ہے لقب آپ کا جو اسد اللہ
یہ بھی ترسہ ہے ارفع واعلیٰ

قبر انور ہی بس نہیں جنت
اُحد سارا ہے جنت المادنی

خاک بوسی کا شرف ہم کو ملا
شکر کثرت ناکریں ترا مولا

بھیک مل جائے در پہ حاضر ہے
فخر ادنیٰ گدائے کوئے شما

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اہتمام اشاعت: عزت مآب مہر غلام دستگیر لک زید شرف

نام کتاب	سیرت و فضائل سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
مصنف	اشرف العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ
کمپوزنگ	اظہر عباس شمس سیالوی
تاریخ اشاعت	محرم الحرام ۱۴۳۳ھ / دسمبر ۲۰۱۱ء
تعداد	1100
ناشر	جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام بنگلہ نمبر 9 یونیورسٹی روڈ سرگودھا
قیمت	

ملنے کے پتے

جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام بنگلہ نمبر 9 یونیورسٹی روڈ سرگودھا 048-3724695
 جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ ضلع جہلم 0544-633881, 03225850951
 الشمس لا بیری موضع بھوچر تحصیل ضلع جھنگ 0345-7867732

alshams7867@yahoo.com

مکتبہ اہل السنہ پبلی کیشنز، شاندار بیکرز والی گلی منگلاروڈ دینہ 0321-7641096

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

مضامین

6	وجہ تالیف
10	آغاز کتاب
12	نسبی تعلق اور قرابت
14	رضاعی بھائی ہونے کا اعزاز
16	آپ رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا
16	اسلام لانے کا محرک
20	قریش کا بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ساتھ بائیکاٹ
21	ہجرت مدینہ منورہ
23	اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد و قتال کا اذن
24	غزوہ ابواء اور اولین علم بردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
24	سریہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
26	غزوہ عسیرہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی علم برداری
26	غزوہ بدر اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
34	اسیران بدر کے متعلق مشاورت
35	اللہ تعالیٰ کا مشورہ اور صحابہ کرام کا رد عمل
36	غزوہ بنی قینقاع میں آپ رضی اللہ عنہ کی علم برداری
39	غزوہ احد کے محرکات اور کفار کی بھرپور تیاری

- 41 اہل اسلام کی تعداد اور اسلحہ کی کیفیت
- 43 غزوہ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ
- 45 تنبیہ
- 47 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب اور کیفیات
- 50 آپ رضی اللہ عنہ کے مثلہ پر نبی کریم کا رد عمل
- 50 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کے متعلق نبی کریم کا رد عمل اور اللہ تعالیٰ کا انتقام
- 54 آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کی سنگینی اور شدت
- 60 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا غسل ملائکہ ہونا
- 62 شہدائے احد کی نماز جنازہ کی تحقیق
- 66 شہدائے احد کی تدفین
- 68 کیا آپ رضی اللہ عنہ قبر انور میں اکیلے مدفون ہیں؟
- 69 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ احد سے واپسی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ کا اشتیاق دیدار
- 70 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کس پرسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا
- 72 شہداء کے مزارات کی زیارت کا حکم اور حیات شہداء کا بیان
- 77 حمزہ نام کی محبوبیت
- 78 قبور مقدسہ میں شہدائے احد کے اجساد کی کیفیت
- 85 سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی کرامت اور مزار اقدس پر قبولیت دعا
- 88 حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کرامات بزبان اشرف علی تھانوی
- 89 کالمین و شہداء و صدیقین کے ابدان میں خون کی گردش

- 98 آپ رضی اللہ عنہ کا فقر اور درویشی
- 100 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بارگاہ رسالت میں ایک مطالبہ
- 100 ہندہ کا انجام
- 101 ازواج و اولاد
- 103 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے عمومی فضائل اور امتیازات
- 104 حبشی و نسبی فضیلت
- 108 نبوی حسب و نسب کا بروز قیامت نفع و فیضان
- 109 عربی ہونے کی فضیلت
- 111 قریشی ہونے کی فضیلت
- 116 ہاشمی و مطلبی ہونے کی فضیلت
- 117 صحابیت والی فضیلت
- 121 قرآن مجید کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل از روئے مہاجر و مجاہد
- 128 اہل بیت کا اہم فرد ہونے کی فضیلت
- 132 اہل بیت کا معنی و مفہوم
- 135 بدری مجاہد اور غازی ہونے کی فضیلت
- 140 اصحاب بدر کا مقام بارگاہ نبوت میں
- 142 فضیلت شہادت
- 148 صحابی کی غیر صحابی پر اجر و ثواب میں برتری اور فضیلت
- 149 عام دستور اور سنت الہیہ
- 152 جنت میں شہداء کا بالعموم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بالخصوص مقام و مرتبہ

وجہ تالیف

ہمارے دارالعلوم جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کے بانی اور سرپرست اعلیٰ عزت مآب مہر غلام دستگیر خان لک دام اقبالہ کو حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت و عقیدت ہے اور غایت درجہ ارادت اور نیاز مندی۔ ان کا معمول ہی یہ ہے کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اس سے خلاصی اور نجات کیلئے اور کوئی اہم مقصد حاصل کرنا ہو اور حاجت پوری کرانا ہو تو پہلے پہل حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے در اقدس اور مزار مبارک پر حاضری دیکر انہیں بارگاہِ مصطفویٰ میں اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ محبوبیت میں سفارش کرنے اور شفاعت فرمانے کیلئے عرض کرتے ہیں، پھر سید الانبیاء اور امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ ناز اور دربارِ کبریائی میں شفاعت کیلئے عرض کرتے ہیں اور ان کریموں کی نگاہِ کرم کا صدقہ ان کی مشکلات بسا ذن اللہ حل ہو جاتی ہیں اور مطالب و مقاصد برآتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک حاجت برآری کیلئے حضرت اسد اللہ و اسد الرسول کی بارگاہِ اقدس میں پہلے ملتی ہوئے اور ان کو سفارش و شفاعت کیلئے عرض کیا، پھر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ اللہ تعالیٰ نیک اور صالح فرزند ارجمند عطا کرے اور لختِ جگر نورِ نظر محمد منیر کے سانچہ ارتحال اور صحیح خلف رشید نہ ہونے کا رنج و الم اور غم و اندوہ دور ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کریموں کے کرم اور نگہِ لطف کے طفیل فرزند ارجمند عطا فرمایا جس کا نام اسی ارادت و عقیدت اور محبت و الفت کے اظہار اور اس لختِ جگر اور نورِ نظر پر بھی ان کریموں کی نگاہِ لطف و کرم دائم و قائم رہنے کی نیت و ارادہ اور تمنا و آرزو پر محمد حمزہ دستگیر رکھا مہر صاحب، آپ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کیلئے خصوصی طور پر صدقات و خیرات پیش کرتے رہتے ہیں اور سرگودھا شہر میں آپ کے ایصالِ ثواب اور صدقہ جاریہ کے طور پر آپ کے نام نامی اور اسم گرامی پر جامع مسجد بھی تیار کروائی ہے اور بار بار ان مقدس بارگاہوں کی حاضری خود بھی دیتے

رہتے ہیں اور اُس عزیز کو بھی کئی مرتبہ وہاں حاضری دلا چکے ہیں اور اسی نیاز کیشی اور عقیدت مندی کے تحت یہ چاہا کہ ان کی سیرت طیبہ اور فضائل و کرامات پر مشتمل کتاب تالیف کرا کر شائع کروں اور بندہ نے بھی ذاتی دلچسپی اور محبت و عقیدت کیساتھ ساتھ ان کی آرزو اور تمنا کے پورا ہونے اور اس بارگاہ اقدس میں اس نذر گزاری کی خواہش کی تکمیل میں مقدور بھرسعی اور کوشش سے کام لیا ہے اور یہ چند سطور سپرد قلم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ہدیہ اخلاص اور نذرانہ عقیدت کو اپنی بارگاہِ صمدیت میں اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ محبوبیت اور سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی بارگاہ اور دربار عالیہ میں شرف قبولیت بخشے اور آپ کے اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کریمانہ اور نگہ لطف و نوازش سے عزت مآب جناب مہر صاحب دام اقبالہ کو اور ان کی نسل در نسل کو اور اس احقر الخلائق کو بہرہ ور فرمائے رکھے۔ آمین ثم آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر الخلائق خویدم العلماء الکرام و المشانخ العظام

ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی کان اللہ له

اعتماد مولف

حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے حالات اور سیرت پاک پر کوئی جامع کتاب اور مفصل تذکرہ کسی کتاب میں دستیاب نہ ہو سکا اور جو کچھ ذکر کیا گیا اس میں بھی تحقیقی انداز و اسلوب کو نظر انداز کیا گیا ہے، مثلاً عمارہ آپ کا صاحبزادہ ہے جس کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو عمارہ بھی ہے یا کہ صاحبزادی ہے اس میں مختلف اقوال ہیں اور آپ کی صاحبزادیوں میں فاطمہ نام کی صاحبزادی ہیں یا نہیں، بعض حضرات نے ان کا مدینہ منورہ میں موجود ہونا اور غزوہ احد کے اختتام اور غازیوں کی واپسی پر والد گرامی کے شوق دیدار میں برسر راہ منتظر ہونا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنا میرے ابا جان کدھر ہیں؟ ان کا عرض کرنا سرور عالم اور حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں۔ پھر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام پکڑ کے عرض کرنا میرے ابا جان کہاں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا میں تیرا باپ ہوں اور ان کا عرض کرنا اس جواب سے تو ان کے شہید ہو جانے کی بو آ رہی ہے، حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس دلدوز واقعہ کا تذکرہ کیا ہے مگر دوسرے حضرات نے ان کا نام تک بھی ذکر نہیں کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیویاں تھیں لیکن آپ کی شہادت کے موقع پر کسی کا موجود ہونا اور اظہار رنج و الم کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ ایک بچی کا مکہ مکرمہ میں عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ کے پیچھے دوڑنا اور آپ کا کفالت اور تربیت کیلئے اس کو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمانا کیونکہ اس بچی کی خالہ آپ کی زوجیت میں تھیں اور الخالۃ بمنزلۃ الام یعنی خالہ ماں کی جا بجا ہوا کرتی ہے، کتب سیرت میں مذکور ہے مگر وہ وہاں مکہ مکرمہ میں کیوں رہ رہی تھیں اس کے بارے میں خاموشی ہی خاموشی دیکھنے میں آئی۔ الغرض اسلاف کرام کی طرف سے اس ضمن میں تفصیلی اور تحقیقی مضامین دستیاب نہیں ہو سکے اور بندہ کی متنوع مصروفیات و

مشغولیات اور استعداد و صلاحیت کی قلت اور کمی بھی آڑے آتی رہی۔ بایں ہمہ امید ہے کہ ان کریموں کی بارگاہ کری می میں یہ ناتمام سعی اور جدوجہد شرف قبولیت پالیگی اور وہ ضرور بر ضرور نگہ التفات سے نوازیں گے۔

بر کریمال کار بادشوار نیست

ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی کان اللہ له

الحمد لله رب العالمين خالق السموات والارضين والصلوة والسلام على
سيد الانبياء والمرسلين محمد بن المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله الطيبين
الطاهرين وعلى اصحابه من الانصار والمهاجرين المؤيدين للدين القويم خصوصا
على سيد الشهداء واسد الله واسد رسوله الامين والتابعين لهم بالا حسان الى يوم
الدين -

اما بعد: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى -

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی طرح سے قرابتیں حاصل ہیں
اور نسبی و حبشی لحاظ سے بہت ہی قریبی اور گہرے تعلقات کے مالک ہیں لہذا جب آپ کے جملہ
اہل ایمان قرابت داروں کے ساتھ محبت و مودت لازم اور ضروری ہے اور یہ محبت و مودت
ہمارے ایمان و ایقان کا تقاضا ہے تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کیساتھ محبت و مودت اور الفت و
عقیدت بھی لازم اور ضروری ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی ہیں اور خالہ زاد بھائی بھی
ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں۔ نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

(مشکوۃ شریف)

احبوا اهل بيتي لحبي اياهم

میرے اہل بیت سے محبت کرو کیونکہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں اور میں تمہارا محبوب
ہوں اور وہ میرے محبوب ہیں اور محبوب کے محبوب بھی محبوب ہوا کرتے ہیں اس لئے انہیں بھی
اپنے محبوب سمجھو اور ان کی محبت کو اپنے اوپر واجب اور لازم ٹھہراؤ۔

اور یہ حقیقت کسی عقلمند سے مخفی نہیں ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور
قرابتداروں میں سے جس نے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے دین کی زیادہ خدمت کی ہوگی

اور زیادہ سے زیادہ دفاع اور تحفظ کیلئے سعی اور جدوجہد کی ہوگی اس کا مرتبہ و مقام اسی تناسب سے دوسروں کی نسبت بلند و بالا ہوگا تو ہم پر لازم ٹھہرا کہ ان کی وجوہ قرابت بھی معلوم کریں اور خدمات اور قربانیاں بھی معلوم کریں تاکہ ان کا عند اللہ اور عند الرسول عالی مرتبت ہونا اور رفیع الدرجت ہونا معلوم ہو سکے اور اس کے مطابق ان سے محبت و مودت اور خلوص و عقیدت پیدا ہو سکے۔

نیز قاعدہ یہ ہے:

من احب شیئا اکثر ذکرہ

جو کسی شئی سے محبت رکھے گا وہ اس کو بکثرت ذکر کریگا اور یاد رکھے گا تو اسے اس کے اخلاق عالیہ اور اوصاف کمالیہ کا مفصل علم ہونا چاہیے تاکہ ان کیساتھ اس محبوب ہستی کا تذکرہ کرے اور خود بھی اس کی سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھلے اور دوسروں کو بھی اس رنگ میں رنگنے کی سعی مشکور کرے، کیونکہ مسلمہ حقیقت ہے:

ان المحب لمن یحب مطیع

اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ محبت صادق اپنے محبوب کا اطاعت گزار اور اس کا تتبع کامل ہوا کرتا ہے۔

اس لئے یہ چند سطور حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق زیب قرطاس کی جاتی ہیں تاکہ ان کی آپ ﷺ سے قربت اور حبیبی و نسبى تعلق بھی واضح ہو اور حضور اکرم ﷺ کا تحفظ اور آپ کی طرف سے دفاع اور آپ کی غلامی و اطاعت میں مال و دولت اور گھربار اور مکہ مکرمہ جیسا وطن چھوڑنا اور خویش اقرباء سے خونی رشتوں کو ایمانی رشتہ پر قربان کرنا اور بالآخر اپنی جان کو بھی راہ خدا میں اور رضائے مصطفیٰ ﷺ میں قربان کرنا اور اپنے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا بھی معلوم ہو سکے، ان سے کما حقہ محبت و عقیدت بھی پیدا ہو سکے اور ان کے خداداد درجات و مراتب

معلوم کر کے ان کی راہ شوق اور سبیل فداکاری پر صدق دل سے چلنے کا شوق و ذوق دل میں پیدا ہو سکے، ان کی راہ پر چلنے کی بدولت ہمیں بھی عند اللہ تعالیٰ اور عند الرسول المقبول کچھ قدر و منزلت حاصل ہو سکے۔

نسبی تعلق اور قربت:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے تحت جگر ہیں۔ اور ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ کے نور نظر ہیں جو کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امی جان حضرت آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی ہیں اور ہاشم و زہرہ دونوں کی عظمت شان کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان حق ترجمان سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ خير العرب مضر و خير مضر بنو عبد مناف و خير بني عبد مناف بنو هاشم و خير بني هاشم بنو عبد المطلب و الله ما افترقت فرقتان منذ خلق الله آدم الا كنت في خيرهما۔

(سبل الہدیٰ و الرشاد ص ۲۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عربوں میں سے بہتر اور افضل قبیلہ مضر ہے اور مضر قبیلہ میں سے افضل و برتر قبیلہ بنو عبد مناف ہے اور قبیلہ بنو عبد مناف میں سے خیر اور بہتر بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں سے افضل و اعلیٰ بنو عبد المطلب ہیں۔ بخدا جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا نہیں جدا ہوئے (ان کی نسل سے) دو گروہ اور جماعتیں مگر میں ان میں سے بہتر فرقہ اور جماعت میں موجود کیا گیا۔

اقول:

جب بنو عبد المطلب افضل ہیں بنو ہاشم سے اور وہ بنو عبد مناف سے اور وہ قبیلہ مضر میں سے افضل اور وہ سب عربوں سے افضل تو اس سے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور

برتری بھی ظاہر ہوگئی کیونکہ آپ براہ راست اور بلا واسطہ لخت جگر اور نور نظر ہیں جناب عبدالمطلب کے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما ولدتنی بغی قط منذ خرجت من صلب آدم علیہ السلام ولم تنزل تنازعنی الامم کابرا عن کابر حتی خرجت من افضل حیین من العرب ہاشم و زہرۃ۔

(سبل الہدیٰ ج ۱ ص ۲۳۶ رواہ ابن عساکر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سے میں پشت آدم سے ظہور فرما ہوا ہوں میری ولادت میں (کسی مرحلہ پر) کسی زنا کار عورت کا دخل نہیں ہوا اور ہمیشہ سے امتیں اور قبائل بڑے سے چھوٹے افراد تک میرے ساتھ فضل و شرف میں نزاع اور مقابلہ کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ میں عرب کے افضل ترین قبیلوں ہاشم اور زہرہ میں سے برآمد ہوا۔ ابن سعد، ابن برقی، طبرانی، حاکم اور ابو نعیم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے واسطہ سے حضرت عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ ہم سردی کے دوران یمن کی طرف سفر کر کے گئے اور ایک یہودی عالم کے مہمان بنے تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی نے دریافت کیا تم کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو میں نے کہا قریش سے، اس نے کہا کون سے قریش میں سے؟ میں نے کہا بنو ہاشم میں سے، اس نے کہا مجھے اپنے جسم کے کچھ حصوں کے مشاہدہ کی اجازت دیجئے، میں نے کہا اجازت ہے بشرطیکہ شرمگاہ کا ستر اور پردہ برقرار رہے، تو اس نے میری ناک کے ایک نٹھنے کو پہلے دیکھا پھر دوسرے کا مشاہدہ کیا پھر کہا:

اشہد ان فی احدی یدیک ملکا و فی الاخری نبوة و انا نجد ذالک فی

بنی زہرۃ فکیف ذالک؟

میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے ایک ہاتھ میں ملک و سلطنت ہے اور دوسرے میں نبوت

ہے اور بیشک ہم یہ دونوں فضل و شرف بنوز ہرہ میں پاتے ہیں تو یہ کیسے ہوگا؟ (جب کہ تم بنو ہاشم سے ہو اور مکی ہو اور بنوز ہرہ مدنی ہیں) آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہوگا؟ اس نے دریافت کیا کیا تمہاری بیوی ہے؟ تو میں نے کہا اما الیوم فلا آج کے دن تک تو بیوی نہیں ہے تو اس نے کہا اذا رجعت فتزوج منهم جب اس سفر سے واپس لوٹو تو بنوز ہرہ میں شادی کرو چنانچہ آپ واپس لوٹے تو تزوج ہالہ بنت اہیب بن عبد مناف و زوج ابنہ عبد اللہ آمنہ بنت وہب فولدت له رسول اللہ ﷺ فقالت قریش فلج عبد اللہ علی ابیہ۔ تو حضرت عبد المطلب نے ہالہ بنت اہیب (وہیب) بن عبد مناف (بن زہرہ) سے شادی فرمائی اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ یعنی اپنے لخت جگر کی شادی آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے کرادی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو جنم دیا تو قریش نے کہا عبد اللہ اپنے باپ پر مقصود و مطلوب کے حصول میں سبقت لے گئے ہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ بنوز ہرہ عربوں میں اہم مرتبہ و مقام کے مالک ہیں اور جس طرح ان کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی تخلیق اور تولید کیلئے کیا اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ننھیال کے طور پر انہیں کا انتخاب فرمایا اور ان کو بھی عربوں میں سے دو بہترین اور افضل ترین قبیلوں میں سے پیدا ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔

رضاعی بھائی ہونے کا اعزاز:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی شادیاں باہر کر رہے ہیں اپنے قبیلہ میں کیوں نہیں شادی فرماتے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کوئی ایسا رشتہ تمہاری نظر میں ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: الا تتزوج ابنة حمزة فانها من احسن فتاة فی قریش قال انها ابنة اخي من الرضاعة۔ آپ حضرت حمزہ کی بیٹی کے ساتھ کیوں نہیں شادی فرماتے بیشک وہ قریش میں سے خوبصورت ترین لڑکی ہے تو آپ نے فرمایا وہ میرے رضاعی

بھائی کی بیٹی ہے (اور اس نسبت سے میری بھتیجی ہے تو اس کیساتھ شادی کیسے کر سکتا ہوں؟)
یہ اعزاز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابولہب کی لونڈی ثویبہ کی وجہ سے بھی حاصل ہے کہ اس نے
پہلے انہیں دودھ پلایا اور بعد ازاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دودھ پلایا نیز حضرت حلیمہ سعدیہ کے لحاظ
سے بھی آپ کو یہ قربت حاصل ہوئی:

حمزة رضيع رسول الله ﷺ من جهة حلیمه السعدیه

(سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۳۷۹)

اور جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے ہاں دودھ پیتے تھے اس دوران بنو سعد کی
دوسری عورت جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دودھ پلادیا:
عن ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان حمزة رضى الله عنه كان
مسترضعاً له عند قوم من بنی سعد بن بكر و كانت ام حمزة قد ارضعت رسول
الله ﷺ وهو عند امه حلیمه رضى الله عنها۔

گویا تین رضاعی ماؤں کے لحاظ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی
ہونے کا شرف اور اعزاز حاصل ہے۔

الحاصل

حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت عبدالمطلب کے لخت جگر اور نور نظر تھے۔ آپ کو ثویبہ
نے دودھ پلایا تھا اس طرح آپ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ ثویبہ نے نبی مکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دودھ پلایا تھا۔ نیز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہالہ بنت اہیب کے فرزند
ارجمند ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ٹھہرے اور حضرت عبد اللہ کے بھائی
ہونے کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی ٹھہرے اور آپ کے نسب و حسب والے فضائل
میں شراکت کی سعادت آپ کو حاصل ہوگئی۔

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا:

بعض روایات کے مطابق آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہو کر آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے جبکہ بعض روایات کے مطابق پانچویں سال اور بعض روایات کی رو سے اعلان نبوت کے چھٹے سال دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے اسی آخری کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

در سال ششم اسلام آورد عم رسول ﷺ و برادر رضاعی وے حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما و بود غیرت ناک جوانے در قریش و سخت تر و ذی شکیمہ پس غالب و قوی شد رسول خدا باسلام وے بر قریش۔

(مدارج النبوة ج ۲ ص ۴۴)

چھٹے سال رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان اور رضاعی بھائی حمزہ بن عبدالمطلب اسلام لے آئے اور آپ قریش میں انتہائی غیرت مند جوان تھے اور بہت قوی و توانا اور صاحب جرات و بسالت تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان لانے کی وجہ سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں قریش پر غالب اور قوی ہو گئے۔

اسلام لانے کا محرک:

مروئی و منقول ہے کہ ایک دن ابو جہل لعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا پہنچائی اور سب و شتم سے کام لیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس لوٹے اور کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے، آپ کو اس صورتحال کی اطلاع ملی تو سخت غضبناک ہو گئے اور مطاف سے ہی سیدھے ابو جہل کے پاس پہنچ گئے۔ کمان آپ کے کندھے پر تھی اسے اس منحوس کے سر پر دے مارا اور اس کا سر پھوڑ دیا اور فرمایا کہ تو محمد بن عبد اللہ کو گالیاں دیتا ہے اور تکلیف پہنچاتا ہے حالانکہ میں ان کے

دین پر ہوں۔ ابو جہل کی تذلیل و تحقیر اور تادیبی کارروائی سے فارغ ہوئے تو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے لیکن جلد بازی میں اور ابو جہل کے خلاف غیظ و غضب کے اظہار کے طور پر اسلام لانے پر بعد میں آپ کو آباؤ اجداد کا دین چھوڑنے پر قلق اور اضطراب لاحق ہو گیا اور ساری رات اس ریب و تردد کی وجہ سے آپ کو نیند نہ آئی۔ صبح ہوئی تو کعبہ معظمہ کی زیارت کی، آپ فرماتے ہیں:

وتضرعت الى الله تعالى ان يشرح صدري للحق ويذهب عني الريب
فما استممت دعائي حتى زاح عني الباطل و امتلاء قلبي يقينا
”اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی سے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ حق کیلئے مجھے شرح صدر نصیب فرمائے اور مجھ سے ریب و تردد اور شکوک و شبہات کو دور فرمائے تو میں ابھی اپنی دعا کو مکمل نہ کر پایا تھا کہ باطل مجھ سے بالکل زائل ہو گیا اور میرا دل یقین سے بھر پور ہو گیا۔“
فرماتے ہیں پھر میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنی سرگذشت سنائی تو آپ نے میرے حق پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

(الروض الانف للعلامة السهيلي ج ١ ص ١٨٦)

نبی مکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

اللهم اعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة۔ (مشکوٰۃ)

اے اللہ! بالخصوص عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو ترقی اور غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولت بخشا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آپ دار ارقم کے دروازے پر پہنچے جہاں آنحضرت ﷺ دعوت اسلام اور پیغام رسالت دیتے تھے اور خفیہ طور پر تبلیغ کیساتھ ساتھ عبادت بھی فرماتے تھے، دستک دی اور دروازہ

کھولے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ دروازہ کھولنے والے نے جب دیکھا کہ دستک دینے والے عمر بن خطاب ہیں اور تلوار بھی ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں تو اس نے دروازہ نہ کھولا اور دار ارقم میں موجود صحابہ کرام کو صورت حال سے آگاہ کیا تو سبھی حضرات سہم گئے اور خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ڈرنے والی کون سی بات ہے:

افتحوا له الباب ان اقبل قبلنا و ان ادبر قتلنا

(تاریخ الخلفاء للسيوطی)

دروازہ کھول دو اگر خلوص اور نیک نیتی کیساتھ آئے ہیں تو ان کو خوش آمدید کہیں گے اور ان کا اسلام لانا ہمیں مرغوب و محبوب ہوگا اور اگر برگشتہ ہوتے ہیں اور غلط قدم اٹھاتے ہیں تو ان کا سر قلم کر دیں گے۔ آپ سے قبل انتالیس مرد اسلام قبول کر چکے تھے وہ سارے دار ارقم میں موجود تھے یا ان میں اکثر مکروہ بھی سہم گئے لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اقدس پر بھی کوئی بوجھ نہ پڑا اور نہ ہی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر کوئی گرائی آئی اور کوئی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی جس سے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بسالت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے، دروازہ کھول دیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے ان کا گریبان پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار والا ہاتھ قابو کر لیا اور فرمایا:

اے عمر اگر بصلح آمدہ ای دست از تو باز دارم و اگر بجنک آمدہ ای

دما از روزگار تو بر آرم

اگر تم صلح کیلئے اور اپنی اصلاح کیلئے آئے ہو تو پھر میں چھوڑ دیتا ہوں اور اگر جنگ کیلئے

آئے ہو تو تمہاری زندگی کا خاتمہ کرتا ہوں اور تمہیں ہلاکت سے دوچار کرتا ہوں۔

جونہی یہ کلمات زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ نے سنے تو لرزہ بر اندام ہو گئے تلوار

ہاتھ سے گر گئی اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے عرض کیا:

اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله

جو نبی آپ نے توحید و رسالت کا اقرار کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور جملہ حاضرین صحابہ نے بھی خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کافر و مشرک لات و منات کی علانیہ پوجا پاٹ کریں اور آپ سچے دین والے ہو کر پوشیدہ طور پر عبادت کریں۔ قلت السنا علی الحق قال بلی قلت ففیم الاخفاء فخرجنا صفین انا فی احدھما و حمزة فی الآخر حتی دخلنا المسجد فنظرت قریش الی والی حمزة فاصابتھم کابة شدیہ فسمانی رسول الله ﷺ الفاروق یومئذ۔

(تاریخ الخلفاء)

میں نے عرض کیا ہم حق پر نہیں ہیں آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں تو میں نے عرض کیا کہ پھر اس پوشیدگی اور اخفاء کی کیا ضرورت ہے چنانچہ ہم دو صفوں میں دار ارقم سے مسجد حرام کی طرف نکلے ایک میں سرخیل تھا اور دوسری میں حضرت حمزہ سربراہ تھے حتیٰ کہ ہم اس حال میں مسجد حرام میں داخل ہوئے قریش نے میری طرف دیکھا اور ادھر حمزہ کی طرف دیکھا کہ یہ دونوں بہت بہادر و شجاع اور دلیر و غیور جوان بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں تو انہیں بہت صدمہ پہنچا اور غم و اندوہ لاحق ہوا اور اس دن مجھے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

جبریل امین علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور عرض کیا لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر آسمانوں والے ملائکہ بھی عمر بن خطاب کے اسلام لانے پر خوش ہو گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مردوں میں سے انتالیسویں فرد تھے اسلام لانے کے لحاظ سے اور حضرت عمر چالیسویں بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایہا النبی حسبک الله ومن اتبعک من المؤمنین اے نبی مکرم آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جو مومن آپ کی اتباع و اطاعت میں آگئے

ہیں وہ کافی ہیں۔

قریش کا عداوتِ نبوی اور بغاوتِ اسلام میں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ساتھ بائیکاٹ:

اعلانِ نبوت کے ساتویں سال قریش کی طرف سے بنو ہاشم بالعموم اور بنو عبدالمطلب کیساتھ بالخصوص قطعِ تعلقی اور مکمل بائیکاٹ کا معاملہ پیش آیا جس کا موجب تھا حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل ہونا اور اسلام قبول کرنا اور ان کی بدولت اسلام کو عزت و غلبہ اور قوت و توانائی ملنا، نیز بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور ان کی بدولت ملک حبشہ میں اسلام کی اشاعت اور مکہ مکرمہ سے دور دراز کے علاقوں میں لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا تو قریش کے دلوں میں حسد اور بغض کی آگ بہت تیز ہو گئی اور جناب ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو اس دین کے پرچار سے روک دیا تو ہمارے حوالے کر دو۔ جب انہوں نے دونوں مطالبوں کے پورا کرنے سے انکار کر دیا تو ابوطالب نے تمام بنو ہاشم کو جمع کیا اور بنو عبدالمطلب بھی ان کے ساتھ متفق اور متحد ہو گئے اور قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کی صورت میں مکمل دفاع اور تحفظ کا بندوبست کیا۔ اگرچہ بعض ان میں سے ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق خونی رشتے اور برادرانہ نسبت کو سامنے رکھتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے لگے اور شعب ابی طالب میں جمع ہو گئے اگر ان سے الگ تھلگ رہا تو صرف ابولہب بد بخت۔

قریش نے باہم یہ عہد و پیمان کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ساتھ شادی بیاہ، خرید و فروخت، دوستی یاری بلکہ بول چال تک پر پابندی لگا دی اور مکمل قطعِ رحمی کا پروگرام بنایا۔ حج کے موسم میں بھی شعب ابی طالب سے باہر آ کر عام لگنے والے بازاروں سے بھی کوئی شئی

خریدنے نہیں دیتے تھے۔ ان تاجروں کو بھی منع کر رکھا تھا اور کوئی بیچنے لگتا تو اس سے مہنگے داموں خود خرید لیتے تھے۔ تین سال کا عرصہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے اس شدت اور سختی میں گزارا جن میں سیدنا امیر حمزہ اور مولائے مرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاشمی و مطلبی بھی شامل تھے اور ایمانی و اسلامی رشتہ کا بھی پاس اور لحاظ فرماتے رہے جیسے کہ قومی رشتہ کا تقاضا پورا کر رہے تھے اور زندگی کی سہولیات بلکہ ضروریات کو پس پشت ڈال رہے تھے اور ان میں ہر ایک زبان قال اور لسان حال سے کہہ رہا تھا۔

یار گود دوست شود جملہ جہاں دشمن باش

ہجرت مدینہ منورہ:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ قریش کی عداوت اور دشمنی تو مسلسل چلی آرہی تھی لیکن جناب ابو طالب کی وفات کے بعد اس میں مزید شدت آگئی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا فضل اس طرح شامل حال ہو گیا کہ موسم حج میں آپ حج کیلئے باہر سے آنے والے قبائل کو دعوت دیتے تھے اور مدینہ سے آنیوالوں کو جب دعوت دی تو انہوں نے آپ کی دعوت کو فوراً قبول کر لیا کیونکہ یہود مدینہ کی زبانی سنا کرتے تھے کہ عنقریب مکہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہونیوالے ہیں اور یہ ان کے علامات اور امتیازات ہونگے جیسے کہ کلام مجید میں وارد ہے: **وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا** جس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ مدینہ کے یہودی بنو قریظہ اور بنو نضیر کا فرقہ قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگوں کو بتلاتے تھے کہ نبی آخر الزماں کا ظہور ہونیوالا ہے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا صفایا کر دیں گے تو اہل مدینہ کو تسلی ہو گئی کہ یہ وہی موعود نبی ہیں چنانچہ وہ بھی مشرف باسلام ہو گئے اور مدینہ منورہ میں جا کر اس امر کا چرچا کرنے لگے۔ اگلے سال مزید لوگ حاضر ہوئے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور وہاں پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور قرآن مجید کی تعلیم کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے مطالبہ پر ان کے ہمراہ فرمایا تو ان کی

تعلیم و تربیت کی وجہ سے سینکڑوں لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور تیسرے سال حج پر حاضر ہوئے تو آپ سے بہت سے لوگوں نے بیعت کی اور مدینہ طیبہ تشریف آوری کی صورت میں ہر طرح کی خدمت کرنے اور جانی مالی قربانی پیش کرنے کا عہد کیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے مکی صحابہ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی آپ خود بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے منتظر تھے چنانچہ حضرت عمر بن خطاب اور ان کے بھائی حضرت زید بن خطاب بیس اکابر صحابہ کی معیت میں مدینہ منورہ میں آ گئے اور حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زید بن حارثہ، حضرت بمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم بھی عازم مدینہ ہوئے اور مہاجر ہونے کا اعزاز حاصل کیا اور اکابر صحابہ کرام میں سے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے تھے یا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عنہ یا بالکل فقراء اور لاچار حضرات۔ حضرت صدیق اکبر نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ عنقریب مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائیگی لہذا اکٹھے یہاں سے ہجرت کریں گے لہذا ہجرت کے ارادہ کو ملتوی کر دو۔

الغرض بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب جو حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئے باقی سب نے ہجرت فرمائی۔ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین اولین اور سابقین میں شامل ہو گئے جنہوں نے فضل خداوندی اور رضائے الہی کے حصول اور رسول معظم ﷺ کی امداد و نصرت اور دین متین کی اعانت و امداد کرتے ہوئے اور صدق دل اور اخلاص قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ مکرمہ جیسے عزت و عظمت والے آبائی اور قدیمی وطن کو خیر باد کہہ دیا اور دل وہیں لگایا جہاں ان کے محبوب کریم ﷺ نے ڈیرہ لگایا جبکہ زبان حال اور لسان قال سے کہہ رہے تھے۔

خوشتر آں شہرے کہ دروے دلبر است

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد و قتال کا اذن:

مکہ مکرمہ میں محبوب خداوند تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان مشرکین و کفار کے ظلم و ستم برداشت کرتے رہے لیکن ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کی کارروائی کی اجازت نہیں تھی۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے دوسرے سال جہاد و قتال کا اذن دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرہم لقدير۔

جہاد و قتال کرنیوالوں کو اس امر کا اذن دیا گیا ہے بسبب اس کے وہ مظلوم ہیں بیشک اللہ تعالیٰ انہیں مدد دینے پر کامل قدرت والا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی آیات مبارکہ جہاد کی اجازت پر بھی اور اس پر ملنے والے عظیم اجر پر دلالت کرنیوالی بھی قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اس سے پہلے صحابہ کرام علیہم الرضوان مار پیٹ کھا کر اور زخموں سے لہو لہان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن آپ ان کو صبر و سکون سے کام لینے کی تلقین فرماتے تھے اور فرماتے تھے مجھے جہاد و قتال کی ابھی اجازت نہیں ملی جس کی حکمت عملی یہی معلوم ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کو ظاہری طور پر غلبہ اور تسلط حاصل تھا اور اہل اسلام تعداد میں بھی بہت تھوڑے تھے اور ساز و سامان حرب کے لحاظ سے بھی کمزور تھے تو باری تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہوا کہ جہاد کی مشروعیت کو موخر کر دیا جائے۔ جب مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی اور مہاجرین و انصار جمع ہو گئے اہل اسلام کا سٹیٹ قائم ہو گیا اور دین اسلام کے انصار اور مددگار مہیا ہو گئے اور شہر مدینہ ان کیلئے اہم مرکز اور ملجاء و ماویٰ بن گیا تو اعدائے دین کے خلاف جہاد کو جائز اور مشروع قرار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت اور نصرت و معاونت بھی اہل اسلام کے شامل حال ہو گئی۔

غزوہ ابواء اور اولین علمبردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ:

سب سے پہلے غزوہ ابواء کا ہے اور یہ ہجرت کے دوسرے سال کے اوائل میں وقوع پذیر ہوا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا اور خود صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت کیساتھ قریش کے ایک قبیلہ بنی ضمیرہ پر حملہ آور ہونے کیلئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے علم و لواء اور پرچم کو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ جب آپ مقام ابواء پر پہنچے تو بنی ضمیرہ قبیلے کا سردار مخشی بن عمرو ضمیری صلح کیلئے حاضر خدمت ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی صلح کیلئے رضامند ہو گئے اور صلح نامہ تحریر کیا گیا۔ پندرہ دن کے بعد آپ بمع اپنے لشکر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور قافلہ پر حملہ اور اموال پر قبضہ کی نسبت اس معاہدہ میں زیادہ فائدہ حاصل ہو گیا کیونکہ یہ قبیلہ ابھی اپنے مشرکانہ عقائد پر قائم تھا لیکن اب وہ اپنے مکہ کے مشرکین بھائیوں کی انگخت پر اہل اسلام کے خلاف ان کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اس غزوہ سے ایک تو قریش کے قافلہ ہائے تجارت کا امن و سکون اور طمانیت ختم ہو گئی اور ہر وقت اہل اسلام کی طرف سے حملوں کا خطرہ اور اندیشہ لاحق ہو گیا دوسرا ان کے معاونین میں بھی بالترتیب کمی واقع ہونے لگ گئی۔

سریہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریشی تاجروں کی ایک جماعت تجارت کا ساز و سامان لیکر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس مہاجرین کا دستہ مرتب فرمایا اور اس قافلہ تجارت کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا اور ایک سفید علم اس جماعت کیلئے تیار کیا جو ابو مرثد غنوی کے سپرد کیا گیا اور بعض اہل سیر کے نزدیک سب سے پہلا علم یہی تھا جو لشکر اسلام کیلئے تیار کیا گیا۔ الغرض جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ

لشکر ساحل سمندر تک پہنچ گیا تو کفار کے قافلہ کیساتھ ان کا آنا سامنا ہو گیا جبکہ ان کی تعداد تین سو تھی جبکہ اہل اسلام کی تعداد صرف تیس تھی اور کفار کے اس لشکر میں ابوسفیان اور ابو جہل بھی تھے۔ جانہن قتال کیلئے تیار ہو گئے کیونکہ پہلے پہل اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ تھا کہ اگر تم میں افراد بھی ہوئے تو میں تمہیں دوسو کافروں پر غلبہ اور فتح عطا کر دوں گا کما قال تعالیٰ: ان یکن منکم عشرون یغلبوا مائتین باذن اللہ۔ مگر مجدی بن عمرو جہنی نے جو کہ دونوں فریق کا حلیف تھا دونوں فریقوں کو جنگ سے باز رکھا۔ بالآخر ابوسفیان اور ابو جہل اپنے اپنے لشکر سمیت مکہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے جبکہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اس قافلہ کا سربراہ اور لشکر کا امیر ابو جہل جیسا ضدی اور ہٹ دھرم شخص تھا اور دونوں لشکروں میں تعداد کے لحاظ سے بھی بہت بڑا تفاوت تھا تو ابو جہل کو اگر اپنی کامیابی کا کچھ بھی امکان نظر آتا تو وہ کسی بھی مصلح کی مصالحانہ کوششوں کو خاطر میں نہ لاتا جس طرح کہ بدر کے موقع پر اس نے کامل و اکمل ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور کسی مشورہ پر کان نہیں دھرا تھا اور صرف یہ جذبہ اس کے اندر موجزن تھا کہ مسلمانوں کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ آئندہ ہمارے کسی قافلہ پر حملہ کا خواب میں بھی خیال نہ کر سکیں جبکہ بدر میں اہل اسلام کا کفار کے ساتھ تقریباً ایک اور تین والا تناسب تھا جبکہ یہاں ایک اور دس والا تناسب تھا تو اس قدر قلیل تعداد کو مقابلہ میں دیکھ کر اس کے اندرونی شیطان کو مکمل فرعونیت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا لیکن یہ مختصر سی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمع نبوت کے پروانوں کی جماعت جس جذبہ جہاد اور ولولہ ایمانی سے سرشار تھے اور ان کے قائد اسد اللہ و اسد رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس شیریں اور دلیری کے مالک تھے اس کی تاب لانا ابو جہل کے بس کا روگ نہیں تھا اس لئے اس نے صلح کی اس پیشکش کو غنیمت جانا اور خلاصی پا کر واپس مکہ مکرمہ پہنچ سکے کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے مجدی بن عمرو جہنی کی اس کوشش کو لائق صد تحسین بھی سمجھا اور اس پیشکش کو برضا و رغبت قبول بھی کر لیا۔

غزوہ عشیہ میں سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی علمبرداری:

ہجرت کے سولہویں ماہ یعنی جمادی الاول میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ سو صحابہ کرام مہاجرین رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کے مطابق دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور سفید علم تیار کر کے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنایا اور ابوسلمہ بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا اور اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جو ابوسفیان کی قیادت میں کثیر تعداد کفار کے ہمراہ شام کی طرف تجارت کی غرض سے جا رہا تھا اور مقام عشیہ تک پہنچ چکا تھا۔ چند روز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر قیام فرمایا۔ جب تسلی ہو گئی کہ وہ قافلہ پہلے گزر چکا تھا تو آپ بنو مدلج اور بنو کنانہ کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کر کے واپس تشریف لائے اور ان دو قبیلوں یعنی بنو مدلج اور بنو ضمرہ کیساتھ مصالحت کی وجہ سے اہل اسلام کی پوزیشن مزید مضبوط ہو گئی اور کفار قریش ان قبیلوں کی امداد و اعانت سے محروم ہو گئے۔

غزوہ بدر اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے یہ غزوہ سب سے عظیم تر تھا کیونکہ اس کے ذریعے دین اسلام کی عزت و عظمت اور شان و شوکت ظاہر ہوئی اور ناموس اسلام تاباں اور روشن ہوا۔ اس دن کو یوم الفرقان سے قرآن مجید نے تعبیر کیا کیونکہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق اور امتیاز واضح ہو گیا۔ کفر کی بنیادوں کو شکست و ریخت اور انہدام و تزلزل سے دو چار فرمایا حالانکہ اہل اسلام تعداد میں بھی بہت کم تھے اور بے سروسامان بھی تھے جبکہ کفار و مشرکین کی تعداد بھی نسبتاً بہت زیادہ تھی اور جنگ کے ساز و سامان سے پوری طرح مسلح تھے اور بڑے غرور و تکبر اور فخر و ناز کے ساتھ اتراتے ہوئے میدان جنگ میں وارد ہو رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اہل اسلام کو عزت دی اور دین اسلام کو مضبوط اور مستحکم فرمایا اور اس کے

جاہ و جلال والے چہرے کو مزید تاباں اور منور فرمایا اور شیطان لعین اور اس کی جماعت کو ذلیل و خوار اور روسیہ فرمایا اور اپنے مسلمان بندوں پر اس احسان و کرم اور فضل و نوازش پر احسان جتلاتے ہوئے اور شکرا یزد متعال پر برا بھلا کہتے ہوئے فرمایا؛

لقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلة البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر کے غزوہ میں تمہیں امداد و نصرت سے مشرف فرمایا جبکہ تم کمزور اور بے سروسامان تھے۔ جس میں اصل حکمت یہ تھی کہ اہل اسلام کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ کامیابی و کامرانی اور فتح و فلاح کا دار و مدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت اور تائید و توفیق پر ہے نہ لشکر کی کثرت تعداد پر ہے اور نہ ہی اسلحہ کی فراوانی پر کما قال تعالیٰ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہ ہیں اور صرف آٹھ تلواریں تھیں اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی حضرات صحابہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ سواری میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کے پیدل چلنے کی باری ہوتی تو یہ حضرات عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ آپ سوار رہیں ہم آپ کی ہمرکابی میں پیدل چلنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تو آپ ﷺ جواب ارشاد فرماتے؛ نہ تو تم مجھ سے قوت و طاقت میں زائد اور برتر ہو اور نہ ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونیوالے اجر و ثواب سے مستغنی اور بے نیاز ہوں۔ لہذا میں بھی اس راہ میں پیدل چلوں گا تا کہ زیادہ سے زیادہ ثواب اور جزائے خیر حاصل کر سکوں۔

مشرکین کی تعداد پانچ صد پچاس یا نو سو یا ہزار جنگی مردوں کی تھی اور ایک قول کے مطابق نو سو سے زیادہ اور ہزار سے قدرے کم افراد کی نفری تھی۔ ان کے پاس سو گھوڑے، سات سو یا اس سے کچھ زیادہ اونٹ تھے۔ ان کے سوار بھی زرہ پوش اور اکثر پیادے بھی زرہ پوش تھے اور لوہے میں غرق تھے۔ نیز گانے والی عورتیں اور آلات طرب و لہو بھی ساتھ لئے ہوئے تھے اور

جس جگہ پانی پر پڑاؤ ڈالتے تو ان کی رقا صائیں اور مغنیات گانے گا کر اور رقص و سرود کے ذریعے اور اہل اسلام کی ہجو اور طعن و تشنیع پر مشتمل گیت سنا کر ان کے غرور و تکبر اور فخر و ناز میں مزید اضافہ کرتیں اور ان کے سرداروں میں سے کوئی نہ کوئی ہر روز سب کو پر تکلف کھانا کھلاتا اور ہر روز تقریباً گیارہ اونٹ مہمانی کیلئے ذبح کئے جاتے تھے۔

ادھر اہل اسلام کا حال یہ تھا جو عرض کیا جا چکا کیونکہ وہ تو ابوسفیان کے قافلہ تجارت کے خلاف کاروائی کیلئے نکلے تھے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جنگ درپیش ہونے کا انہیں تصور و خیال نہیں تھا اور اس کی نہ منصوبہ بندی تھی اور نہ ہی قصد و ارادہ تھا۔ صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ قریش کا قافلہ تجارت کثیر مال تجارت کے ساتھ واپس آرہا ہے اور اس کا امیر ابوسفیان ہے اور کئی تیس سوار اس کی محافظت کیلئے اس قافلہ کے ہمراہ ہیں لہذا قافلہ کی سرکوبی کیلئے چلو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ساز و سامان عطا فرمادے اور مکہ کے قریش نے تمہارے جو مال چھین لئے تھے اور تمہیں درویش اور فقیر بن کر مکہ مکرمہ سے نکلنا پڑا اور انصار مدینہ کا مہمان بننا پڑ گیا اس مال تجارت کے ہاتھ آنے سے تم خود کفیل ہو جاؤ اور انصار پر تمہاری مہمانی کی وجہ سے پڑنے والا بوجھ کم ہو جائے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ یہ اہل اسلام پیادہ ہیں ان کو سواریاں عطا فرما یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیر فرما یہ برہنہ بدن ہیں انہیں لباس عطا فرما یہ فقیر ہیں ان کو تو نگری اور استغناء نصیب فرما چنانچہ جب یہ لشکر اسلام مدینہ منورہ کی طرف لوٹا تو ان میں ہر شخص کو بکثرت اونٹ اور مال و متاع اور سامان خورد و نوش دستیاب ہو چکا تھا لیکن قافلہ تجارت کے ذریعے نہیں بلکہ غزوہ بدر میں فتح و کامرانی حاصل ہونے اور لشکر کفار کے اموال غنیمت کے ذریعے ان کو مالا مال فرمایا اور ان کی عزت و عظمت کو دوبالا فرمایا اور اس رنگ میں حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف استجاب و قبولیت بخشا اور اس کی شان اعجازی کو اجاگر فرمایا۔

چونکہ پہلے کئی دفعہ قریش کے قافلہ تجارت پر حملوں کا معاملہ پیش آچکا تھا تو ابو

سفیان بھی چوکس تھا اور جگہ جگہ استفسار کرتا تھا اور ممکنہ خطرہ کے مدارک کی تدبیریں سوچتا تھا چنانچہ ایک جگہ پر تحقیق و تفتیش کی تو اس کو مخبری ہو گئی تھی کہ تیرے قافلہ پر حملہ ہونی والا ہے تو اس نے راستہ بدل کر جلد از جلد اپنے آپ کو مکہ مکرمہ پہنچانے کی کوشش کی اور ادھر مکہ مکرمہ پیغام بھی بھیج دیا کہ اپنے اموال تجارت کی حفاظت کیلئے فوراً پہنچو۔ تب ابو جہل نے یہ لشکر جرار تیار کیا۔ جب ابو سفیان مکہ شریف اموال تجارت کو بحفاظت لیکر پہنچ گیا تو اس نے ابو جہل وغیرہ کو پیغام بھیجا کہ واپس آ جاؤ لیکن ابو جہل نے اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا بلکہ اپنے آپ کو جلد از جلد جہنم واصل کرنے کا اس لئے واپس لوٹنے سے اس وقت تک کیلئے انکار کر دیا جب تک مسلمانوں کو بزم خویش سبق نہ سکھالے تا کہ آئندہ کوئی قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ کرنے اور مال و متاع کے لوٹنے اور ہتھیار کا تصور بھی نہ کر سکے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قاہرہ غالبہ کا اعجاز دکھلانا چاہتا تھا اور حقانیت رسالت اور حقانیت اسلام کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ اس لئے اہل اسلام کے قصد و ارادہ کے بغیر اور حرب و قتال کا سامان کئے بغیر اور مقدور بھروسا کئے جمع کئے بغیر معرکہ بدر میں شامل ہونا پڑا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے قصد و ارادہ اور میلان طبع کی تصویر کشی کرتے ہوئے اور اپنے قصد و ارادہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قال الله تبارك و تعالى: اذيعدكم الله احدى الطائفتين انہالكم و تودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم و يريد الله ان يحق الحق بكلماته و يقطع دابر الكافرين ليحق الحق و يبطل الباطل ولو كره المجرمون۔

اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ وہ تمہارے لئے مغلوب و مقہور ہے اور تم پسند کرتے تھے اس طائفہ اور گروہ کو جو شوکت اور رعب و داب والا نہیں تھا (بلکہ تجارت کے اموال کثیرہ والا تھا اور نگرانوں اور محافظوں کے اعتبار سے کمتر نفری والا تھا) کہ وہ تمہارے ہاتھوں مغلوب و مقہور ہو اور اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا تھا کہ اپنے

کلمات قدسیہ حقہ کے ذریعے حق کو ثابت اور پائیدار بنائے اور کفار کی نسل منقطع کرے اور ان کو تباہ و برباد کرے تاکہ حق کا بول بالا ہو اور وہ دائم و قائم ہو جبکہ باطل زوال پذیر اور نیست و نابود ہو اگرچہ مجرم لوگ اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بتلایا کہ قافلہ تجارت کو ابوسفیان دوسرے راستہ سے لیکر نکل گیا ہے اور اب ابو جہل اپنے لاؤ لشکر سمیت تمہارے سامنے آرہا ہے تو بعض مومنین نے عرض کیا کہ اس جنگ کی تو ہم تیاری کر کے نہیں نکلے تھے اور اس قدر بے سروسامانی میں اس قدر کثیر التعداد اور ہر طرح کے اسلحہ سے مسلح لشکر کا مقابلہ بڑا مشکل ہے لہذا قافلہ تجارت کا تعاقب کرنا چاہیے اور اس لشکر کیساتھ ڈبھیڑ اور مقابلہ سے گریز کرنا چاہیے۔

رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی برہمی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا تو اکابر صحابہ کرام نے جن میں حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے انہوں نے آپ کے اشاروں پر چلنے اور جانیں راہ خدا میں قربان کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بخدا اگر آپ ہمیں عدن تک (کفار کے حرب و قتال کیلئے) لیجائیں تو انصار میں سے کوئی ایک فرد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی نہیں کریگا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہم بنی اسرائیل نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا فاذهب انت و ربك فقاتلا انا ههنا قاعدون تم جاؤ اور تمہارا رب جائے اور ان کفار سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں بلکہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کیساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کے حکم پر اور آپ کیساتھ مل کر مردانہ وار قتال کریں گے اگرچہ آپ برک غماد (حبشہ کا شہر) تک چلے جائیں۔ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی شخص آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کریگا اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ آپ کو

ہماری طرف سے وہ جرات و بسالت اور ثابت قدمی دکھلائے گا جس سے آپ کے قلب و جگر کو ٹھنڈک اور راحت و مسرت حاصل ہوگی۔

ان حضرات کی تقاریر اور گفتگو سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں خوشی و خرم رکھے تمہیں مژدہ اور خوشخبری ہو کہ فتح و نصرت تمہارے لئے ہے اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے کفار کے لشکر میں سے قتل ہوئیوں کے قتل کی جگہوں کی نشان دہی بھی فرمادی جس سے وہ ایک انج بھی ادھر ادھر نہیں گرے تھے حالانکہ ان کے مقامات قتل کی نشاندہی اب فرمائی اور جنگ اگلے دن ہونیوالی تھی جس سے آپ ﷺ کے خداداد علم غیب کی شان بھی واضح ہوگئی۔

الغرض جب صحابہ کرام علیہم الرضوان ابو جہل اور اس کے لشکر کے خلاف جہاد و قتال کیلئے پر عزم ہو گئے اور رسول گرامی ﷺ کی اطاعت پر کمر بستہ ہو گئے تو میدان بدر کی طرف کوچ فرمایا۔ دوسری طرف کفار کا لشکر بھی پہنچ گیا اور دونوں طرف سے حرب و قتال کیلئے صف بندی ہوگئی تو کفار کی طرف سے جنگ کی پہلی چنگاری اسود بن عبد الاسد مخزومی نے بھڑکائی۔ اس نے اعلان کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے تالاب سے پانی پیونگا اور اسے منہدم کر دوں گا اپنی جان قربان کر دوں گا۔ جب اس برے ارادے سے حوض کی طرف بڑھا تو اللہ تعالیٰ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار سے وار کر کے اس کی پنڈلی کاٹ دی جس سے فوارہ کی صورت خون بہنے لگا اور وہ زمین پر گر گیا لیکن پھر گھسٹتا ہوا حوض کی طرف بڑھنے لگا تا کہ اس میں گھس کر سارے پانی کو پلید کر دوں اور اہل اسلام کیلئے ناقابل استعمال بنادوں تو آپ نے دوسرا وار اس پر کیا اور اس کا کام تمام کر دیا اور اس کے برے ارادے کو پورا نہ ہونے دیا اس جنگ میں یہ پہلا کافر تھا جو آپ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ اس کا یہ انجام دیکھ کر کفار جوش میں آئے اور ان کی طرف سے تین قریشی میدان میں نکلے یعنی عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور تیسرا شخص شیبہ بن ربیعہ تھا اور تینوں نے ہل من مبارز کا نعرہ لگایا یعنی ہے کوئی ہمارے سامنے آئیوالا اور جنگ کر نیوالا تو

اہل اسلام کے لشکر سے تین حضرات ان کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم۔ کفار کے ان آدمیوں نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب میں کہا ہم انصار میں سے ہیں انہوں نے کہا ہمیں تمہارے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے ہم اپنے بنی اعمام یعنی چچیرے بھائیوں کو مقابلہ کی دعوت دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے آواز دی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قومی بھائیوں کو ہمارے مقابلہ کیلئے بھیجو اس وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو ان کفار کے مقابلہ کیلئے میدان میں آنے کا حکم فرمایا۔ جب یہ تینوں حضرات ان کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا ہاں اب ٹھیک صورت حال بن گئی تم ہماری ٹکراؤ مقابلہ کے لوگ ہو۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت بوڑھے تھے اور اس وقت اسی سال کے تھے لیکن عتبہ کے مد مقابل بنے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ بن ربیعہ کے مقابل بنے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے مقابلہ پر آئے مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر ولید کا کام تمام کر دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو نیست و نابود کر دیا لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مد مقابل کے درمیان باہم ضرب و قتال کے دوران آپ کی پنڈلی پر تلوار کا وار ہو گیا جس سے مغز پنڈلی کا باہر آنے لگ گیا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ان کی مدد کو پہنچ گئے اور اس کافر کا صفایا کرنے کے بعد حضرت عبیدہ کو اٹھا کر بارگاہ مصطفویٰ میں پہنچایا تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا میں شہید نہیں ہوں۔ سوال سے مقصود یہ تھا کہ فوری طور پر تو ان کی روح نے بدن عنصری سے پرواز نہیں کی تھی لہذا ہو سکتا ہے کہ میں شہادت کے درجہ سے محروم رہ جاؤں تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم شہید ہو اور عند اللہ تمہارا مقام و مرتبہ شہداء کرام والا ہی ہے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بدر سے واپسی پر وادی صفریا وادی روحا میں جان جان آفریں کے سپرد کی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(فائدہ)

کتب سیر میں بالعموم تفصیلی طور پر حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کفار کے قتل کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف ان کو قتل کرنے کے بعد اپنی تلواریں نیاموں میں بند تو نہیں کر لی تھیں چنانچہ امیہ بن خلف کافر نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام و نسب دریافت کیا اور اسے آپ کا تعارف کرایا گیا تو اس نے کہا ذاك الرجل الذي فعل فينا الافاعيل یہ وہ مرد ہے جس نے ہم پر ہلاکتیں مسلط کیں اور ہماری تباہیوں کا سامان کیا اور وحشی کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ میدان جنگ میں شیر ببر کی مانند دشمنوں پر حملہ آور ہوتے تھے اور کفار کی صفوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتے تھے تو لامحالہ ستر کافر جو قتل ہوئے اور بہترے زخموں سے چور ہوئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے تو ان کے قتل اور ہلاکت میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے تبھی آپ کو اسد اللہ و اسد رسول ﷺ کا خطاب اور لقب عطا ہوا لیکن دوسرے اہل اسلام بھی کفار کے خلاف کاروائی فرما رہے تھے اور اپنی اپنی خداداد قوت و توانائی اور تجربہ و مہارت جنگ کو بروئے کار لا رہے تھے اور مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تین ہزار ملائکہ بھی حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام کی قیادت میں نازل فرما دیئے تھے اور وہ بھی عملی طور پر حرب و ضرب میں حصہ لے رہے تھے حتیٰ کہ مسلمان مجاہد کسی کافر کا تعاقب کرتا تو اسکے وار کرنے سے پہلے وہ مر کر جاتا اور کسی کی گردن ٹوٹ چکی ہوتی، کسی کا سر پھٹ چکا ہوتا کسی کے منہ کے پر نیچے اڑ چکے ہوتے تو حیران ہو کر یہ صورتحال نبی مکرم ﷺ سے عرض کرتے تو آپ ﷺ فرماتے یہ آسمانی مدد کے اثرات اور برکات ہیں اس لئے یہ تعین مشکل ہو گیا کہ مجموعی طور پر کتنے کافر کس ہستی کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔

مختصر یہ کہ ستر کافر اور وہ بھی بڑے سرغننے اور رئیس و سردار قتل ہوئے اور ستر قیدی بنائے

گئے اور بے شمار مال و دولت، دراہم و دنانیر اور اونٹ اہل اسلام کو غنیمت کے مال کے طور پر ہاتھ لگے اور رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح شرف قبولیت بخشا۔ والحمد للہ علی ذالک

اسیران بدر کے متعلق مشاورت اور انکی قسمت کا فیصلہ:

ارباب سیر بیان فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے اسیر کفار کے متعلق صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشاورت فرمائی کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے یا فدیہ اور تاوان جنگ وصول کر کے چھوڑ دینا چاہیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا قریبی رشتہ دار ہیں آج قتل ہو گئے تو جہنم واصل ہو جائیں گے بہتر ہوگا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور مہلت دیدی جائے ہو سکتا ہے ان کو دولت ایمان نصیب ہو جائے اور تاوان جنگ بھی وصول کر لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ کافر ہیں اور کفار کے مقتدا ہیں۔ ان کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فدیہ وغیرہ لینے سے مستغنی فرمادیا ہے۔ فلاں شخص میرا قریب دار ہے وہ میرے حوالے کرو اس کا سر میں خود قلم کرتا ہوں۔ عباس کو حضرت حمزہ کے سپرد فرمادیں تاکہ اپنے بھائی کو یہ کیفر کردار تک پہنچائیں اور اسلام اور بانی اسلام کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی سزا دیں اور عقیل کو علی المرتضیٰ کے حوالے کریں تاکہ وہ خود اس کو تہ تیغ کریں اور اس جسارت پر ان کو سبق سکھلائیں۔

(فائدہ)

حضرت حمزہ اور حضرت علی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے اس مشورہ پر اعتراض نہیں کیا اور اس اقدام سے معذرت نہیں کی بلکہ صرف اور صرف بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ کے منتظر تھے ورنہ پہلے بھی تو اپنے قریب داروں کو ہی قتل کرتے رہے تھے۔ مگر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے کو ترجیح دی اور زیادہ مناسب خیال فرمایا اور ان آراء پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کے دلوں کو مکھن سے بھی زیادہ نرم بنا دیا

ہے اور بعض کے دلوں کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا دیا ہے اور فرمایا:

اے ابو بکر تمہارا حال رقت قلب اور ملائمت کے لحاظ سے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے کفار و مشرکین کی ایذائیں اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا من تبعنی فإني مني ومن عصاني فانك غفور رحيم یعنی جس نے میری پیروی اور اتباع کی وہ مجھ سے ہے اور میرا ہے اور جس نے میری مخالفت اور نافرمانی کی (تو اس کو ہدایت کی توفیق عطا کر کے اسے مغفرت و بخشش کے لائق بنانا تیری شان ہے) کیونکہ تو بہت بخشنے والا اور رحمت و فضل فرمانی والا ہے۔

اے عمر تمہارا حال دشمنان خدا و رسول کے حق میں تغلیظ و تشدید کے لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام والا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا اے میرے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بھی چلتا پھرتا اور گھر میں آباد مت چھوڑ بلکہ سب کو نیست و نابود فرما۔

اللہ تعالیٰ کا مشورہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا رد عمل:

اس دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ اے محبوب! اپنے صحابہ کرام کو بتلا دو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کے معاملہ میں قتل کرنے اور فدیہ کے وصول کرنے کے درمیان اختیار دیدیا گیا ہے لیکن فدیہ لینے کی صورت میں اگلے سال لشکر کفار کے ہاتھوں تمہارے ستر آدمی شہید ہو جائیں گے لہذا اچھی طرح فکر و تدبر اور سوچ بچار کر لو اور جو پہلو منفعت بخش نظر آتا ہے اس کو اختیار کر لو اور اپنالو۔ تو تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے افراد شہید کرانے اور ان کفار کو رہا کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن ان کو فدیہ عزیز نہیں تھا بلکہ شہادت کی موت اور اپنے خون کا غارہ چہروں پر ملے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی لقاء کا شرف حاصل کرنا اور حیات ابد حاصل کرنا مقصود تھا اور ایسی موت حاصل کرنا جس کو موت کہنا بھی جائز

نہ ہو بلکہ موت کا تصور بھی اس کے حق میں روانہ ہو۔ چنانچہ اس خود اختیاری شہادت کے نتیجہ کے طور پر میدان احد میں ستر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا جن میں حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور ہر ایک زبان حال اور لسان قال سے کہہ رہا تھا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نوٹ:

اصحاب بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بالعموم اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بالخصوص الگ ذکر کی گئی ہے۔

غزوہ بنی قینقاع اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی علمبرداری:

مروی ہے کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا پرچم لہراتے ہوئے مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو قبیلہ بنی قینقاع کے یہودیوں نے حسد و بغض اور قلبی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو فن حرب و ضرب سے آگاہ ہی نہیں تھے اور اس معاملہ میں نا تجربہ کار اور نا آزمودہ کار تھے اگر کبھی ہمارے خلاف میدان کارزار میں اترے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس قوم سے واسطہ پڑا ہے اور ہم انہیں فتح کے پرچم لہرانے کا قطعاً موقعہ نہیں دیں گے بلکہ مکمل ناکامی اور شکست فاش کے ساتھ دوچار کریں گے حالانکہ یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برحق نبی و رسول ہونا بھی یقینی طور پر معلوم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے عہد و پیمان بھی کر رکھا تھا لیکن حسد و بغض کو چھپانہ سکے اور مجبوراً ان کی زبان پر ایسی باتیں آ گئیں کما قال تعالیٰ قد بدت البغضاء من افواهہم وما تخفی صدورہم اکبر بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر

ہو چکا اور غیظ و غضب اور بغض و حسد کی آگ جوان کے اندر چھپی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بڑی ہے۔

ارباب سیر بیان فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کی طرف سے عہد و پیمان کے توڑنے کا سبب یہ تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک سنار کے آگے بیٹھی تھی ایک یہودی آدمی نے پیچھے سے آکر اس کا دامن اٹھا کر اس کی پشت کی طرف باندھ دیا اور بعض نے اس فعل کو زرگر کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب وہ عورت اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا اس پر بازاری لوگ قہقہہ لگانے لگے اور وہ عورت فریاد کرنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ وہاں پر ایک مسلمان مرد بھی کھڑا تھا اس نے تلواریں سے باہر نکالی اور اس حرکت کے مرتکب شخص کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف سے یہودی قوم جمع ہو گئی اور انہوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔

جب حضور اکرم ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے یہودیوں کو بلا کر نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ اس قسم کی حرکات سے باز آ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرو کہیں تمہیں بھی کفار قریش کی صورت حال سے دو چار نہ ہونا پڑ جائے یعنی ان کی طرح ہزیمت و پسپائی، شکست و ریخت، ذلت و خواری اور بندوں کو قتل کرانے یا قیدی بنوانے اور مال و متاع کو مسلمانوں کیلئے مال غنیمت بنانے والا معاملہ پیش نہ آ جائے۔ مگر انہوں نے عبرت پکڑنے اور سبق حاصل کرنے کی بجائے اور حکیمانہ اور ہمدردانہ پند و نصائح کو قبول کرنے کی بجائے نامعقولیت اور بیہودہ گوئی کا مظاہرہ شروع کر لیا اور اپنی قوت و طاقت اور فن حرب و ضرب میں تجربات اور مہارت کی دھمکیاں دینے لگے تو رسول گرامی ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہ قوم نقض عہد پر تلی ہوئی ہے۔ اسی دوران حضرت جبریل یہ وحی لے آئے واما تخافن من قوم خیانة فانبد الیہم علی سوا ان الله لا یحب الخائنین اے محبوب خداوند تعالیٰ! اگر آپ کسی بھی عہد و پیمان والی قوم سے نقض عہد کا اندیشہ رکھیں اور خطرہ محسوس کریں اور ایسے امارات و علامات ان

میں دیکھیں جو عہد و پیمان سے برگشتہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں تو ان کا عہد و پیمان عدل و انصاف اور راستی و صداقت کے طریقہ پر انہیں لوٹا دو (اور جنگ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں اور آغاز و اقدام آپ کی طرف سے نہیں ہونا چاہیے تاکہ آپ کی طرف سے خیانت کا وہم و گمان نہ کیا جاسکے بلکہ صرف اور صرف مخالفین ہی بد عہدی اور پیمان شکنی کیساتھ مطعون و متہم ہوں بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کے مرتکب لوگوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ مبغوض رکھتا ہے۔

عہد و پیمان سے برأت کا اعلان کرنے کے بعد اور یہودیوں کی طرف سے جنگ کا ساز و سامان ہوتا دیکھ کر آپ نے بھی جنگ کی تیاری فرمائی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں عامل اور نائب بنایا اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس لشکر اسلام کا علمبردار بنایا اور یہودی قبیقاع کے علاقہ کی طرف کوچ فرمایا۔ انہوں نے اسلامی لشکر آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے اور میدان میں مقاتلہ سے گریز کیا۔ مجاہدین اسلام نے آپ کی قیادت میں پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور سنت قدیمہ کے مطابق اور وعدہ کرم کے تحت ان کو مرعوب اور ہیت زدہ کر دیا اور وہ مجسمہ خوف و خشیت بن گئے۔ قال اللہ تعالیٰ: منلقى فی قلوب الذین کفروا الرعب ہم عنقریب کفار کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیں گے لہذا وہ مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے اور اہل اسلام کے محاصرہ سے تنگ آ گئے اور اس شرط پر قلعہ سے باہر آنے اور اس کے دروازے کھولنے پر تیار ہو گئے کہ ہماری زمینیں گھریاں اور مال متاع نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے ملک میں ہونگے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے رہیں گے یعنی ان کو غلام اور لونڈیاں نہیں بنایا جائیگا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہی تھا کہ ان کے مردوں کو تہ تیغ کر دیا جائے اور بچوں عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنالیا جائے اور ان کی شرط کو مسترد کر دیا جائے وہ کب تک قلعہ بند ہو کر اپنا دفاع کر سکیں گے لیکن عبد اللہ بن ابی جو بظاہر مسلمان تھا اس نے ان کی طرف سے بہت منت و سماجت کی اور انکی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرنے کی درخواست

پیش کی اور وہ اس التجا اور التماس میں بہت منت و سماجت اور لجاجت و گڑ گڑاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر اور اس قوم پر لعنت بھیج کر ان کے خون سے درگزر کرنے کا ارادہ اور عزم فرمایا اس شرط پر کہ وہ مدینہ طیبہ کی سرزمین سے نکل جائیں اور اپنے پلید و منحوس وجود سے مدینہ طیبہ کو پاک کر دیں۔ عبد اللہ بن ابی نے اس شق کو ختم کرانے کی بہت کوشش کی لیکن آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اس کی سفارش کو مسترد کر دیا اور حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ بھی ان کا کوئی معاہدہ تھا تو اس کو بھی کالعدم قرار دیا گیا اور انہوں نے کہا اتولی اللہ و رسولہ والمؤمنین ابری من حلف هنولاء الکفار و ولايتهم میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے موالات اور دوستی کا دم بھرتا ہوں اور ان کفار کے عہد و پیمان اور موالات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ انہیں بیک بنی و دو گوش مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا گیا اور ان کا مال و اسباب اور سارا علاقہ اہل اسلام کیلئے مال غنیمت بن گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان یہودیوں میں سے تین سو یہودی زرہ پوش تھے اور باقی مزید برآں پھر قلعہ بندی کا فائدہ بھی اٹھا سکتے تھے لیکن اہل اسلام کے سامنے لاچار اور بے بس ہو گئے۔ ان کے اموال غنیمت میں سے نبی معظم ﷺ نے اپنے لئے تین تلواریں، تین نیزوں اور تین کمانوں کا انتخاب فرمایا اور ایک زرہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اور ایک زرہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو عطا فرمائی اور باقی متروکہ مال و اسباب سے خمس نکالنے کے بعد تمام لشکریوں میں تقسیم فرما دیا۔ وہ یہودی یہاں سے نکل کر شام کے علاقے اذرعات میں جا بسے اور کچھ عرصہ کے بعد بھی ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہو گئے اور ان کا وہاں کا مال و متاع اور اسلحہ اور جملہ ساز و سامان بھی اہل اسلام کیلئے مال غنیمت بن گیا۔

غزوہ احد کے محرکات اور کفار کی بھرپور تیاری:

جب کفار قریش کو میدان بدر میں اپنے دہم و گمان کے برعکس اور غرور و تکبر کا مجسمہ ہونے کے باوجود انتہائی ذلت و خواری سے دوچار ہونا پڑا۔ ستر و سا اور سر غنے قتل کرا لئے اور ستر

قیدی کرادیئے جنہیں فدیہ ادا کرنے پر رہائی ملی۔ ادھر لشکر اسلام کی قلیل تعداد اور بے سروسامانی کا عالم اور دوسری طرف تین گنا سے زیادہ نفری اور مکمل طور پر مسلح اور لوہے میں غرق اور اس کے باوجود اس قدر ذلت آمیز شکست و ہزیمت۔ مزید برآں بہت سامان اور دراہم و دنانیر اور سواریاں اہل اسلام کے ہاتھوں مال غنیمت بن گئیں تو پورے عرب اور عراق و شام میں جو ان قریش کی عزت و آبرو تھی اور ہیبت و دبدبہ تھا وہ خاک میں مل گیا تو اس عظیم زخم کے درمان کیلئے اور شکست و ہزیمت کو فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی میں بدلنے کیلئے رات دن سوچ و بچار اور تدبیر و تفکر میں مبتلا تھے۔ مالی اخراجات کا بندوبست اس طرح کیا گیا کہ جو سامان تجارت ابوسفیان اہل اسلام سے بچا کر مکہ مکرمہ پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ طے پایا کہ سب شرکاء اپنا راس المال اور اصلی سرمایہ واپس لے لیں اور جو نفع ہے وہ اس انتقامی جنگ کی مالی ضروریات پوری کرنے کیلئے دیدیں چنانچہ حصہ داروں نے اتفاق کیا اور نفع وصول نہ کیا۔ سامان تجارت ہزار اونٹ کا بارگراں تھا اور اصل زر جو اس سامان تجارت پر خرچ ہوا تھا وہ پچاس ہزار مثقال تھا جبکہ پچاس فیصد اس میں نفع کی مقدار تھی تو گویا پچیس ہزار مثقال جبکہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ سونا کا ہوتا تھا اس قدر زر کثیر اس جنگ کے اخراجات پورا کرنے کیلئے جمع کیا گیا۔ اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونہا ثم

تکون علیہم حسرة ثم یغلبون۔

بیشک کفار اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کیلئے پس عنقریب اپنے اموال کو خرچ کریں گے پھر یہ اموال خرچ کرنا (اور نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ کر سکتا ان کیلئے سراسر حسرت بن جائیگا پھر مغلوب و مقہور ہو کر رہ جائیں گے۔

بعد ازاں چرب زبانی اور فریب کاری اور دھوکہ دہی میں مہارت رکھنے والے چند افراد

کو قبائل عرب میں بھیجا تا کہ انہیں امداد و نصرت پر آمادہ کریں اور لشکر جرار تیار کر کے مدینہ منورہ پر اور اہل اسلام پر حملہ آور ہوں۔ علاوہ ازیں عورتوں کی ایک جماعت بھی ساتھ لی جو کہ بدر کے مقتولین پر ماتم اور نوحہ کے ذریعے لشکریوں کو انتقامی کارروائی پر برا بھلا کہتے کریں اور رقص و سرود والی کنجریاں اور ڈونیاں بھی ساتھ لیں تا کہ وہ بھی اپنے رقص و سرود کے ذریعے لشکریوں کے دل گرمائیں چنانچہ تین ہزار جنگجو مرد جمع ہو گئے جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ ہودج (کجاوے) عورتوں کے تھے۔

اہل اسلام کی تعداد اور اسلحہ کی کیفیت:

اہل اسلام حضرات کی تعداد ایک ہزار تھی اور بعض روایات کے مطابق نو سو جن میں سو حضرات زرہ پوش تھے۔ شیخین کے مقام پر چند آدمی لشکریوں کے روپ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کئے گئے اور عرض کیا گیا کہ یہ لوگ یہودی ہیں اور عبد اللہ بن ابی کے حلیف ہیں یہ بھی لشکر اسلام کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تستنصروا باہل الشرك علی اہل الشرك مشرکین کے خلاف مشرکین سے امداد مت طلب کرو چنانچہ ان کی پیشکش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھکرا دیا اور اسی مقام سے یا تھوڑی دور تک جا کر عبد اللہ بن ابی نے بھی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک قول یہ ہے کہ خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفر و نفاق کی وجہ سے اس کو بیع ساتھیوں کے واپس کر دیا تو کل تعداد لشکر اسلام کی چھ سو یا سات سو رہ گئی۔ یعنی لشکر کفار کے مقابل بیس فیصد یا پچیس فیصد تقریباً بایں ہمہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکریوں کو فرمایا: نصرت شمارا خواہد بود اگر صبر کنید و ثبات قدم ورزید

(مدارج النبوة جلد ۲ ص ۱۱۴)

”اگر تم نے صبر و سکون اور ثابت قدمی سے کام لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ فتح تمہارا ہی مقدر ہوگی“

جب تک لشکر اسلام ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا رہا اور صبر و سکون سے کام لیتا رہا تو فرمان

مصطفوی کے مطابق ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ لشکر کفار پسپائی پر مجبور ہو گیا اور گانے بجانے والیوں کو جان کے لالے پڑ گئے اور بھاگتے پر مجبور ہو گئیں، مسلمان لشکر اموال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گیا اور پہاڑی درہ پر مامور پچاس تیر انداز جنہیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت تاکید حکم تھا کہ ہم فتح یاب ہوں یا شکست کھائیں تم نے اس درہ پر قائم دائم رہنا ہے لیکن وہ استقامت کا مظاہرہ نہ کر سکے اور ان کی اکثریت اموال غنیمت جمع کرنے کے ارادہ پر نیچے اتر آئے تو ادھر سے خالد بن ولید نے گھڑ سوار دستوں کیساتھ ہلہ بول دیا اور درہ پر باقی رہ جانے والے دس افراد ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے رضی اللہ عنہم اور بھاگے ہوئے کافر سپاہیوں کو کچھ عورتوں کے طعن و تشنیع پر اور ندامت و شرم دلانے پر واپس ہونا پڑا۔

ادھر لشکر اسلام کی صفیں تتر بتر ہو چکی تھیں کیونکہ مال جمع کرنے میں مصروف تھے تو حاصل شدہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جام شہادت نوش کرنا پڑ گیا جن میں سے بعض اپنے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے کیونکہ زرہوں اور خودوں وغیرہ کی وجہ سے بھی پہچان مشکل ہو گئی تھی اور طبائع میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا اور افراتفری مچ گئی حتیٰ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ماتھا مبارک اور ہونٹ مبارک زخمی ہو گئے اور نچلے جڑے کے سامنے والے دانتوں میں سے ایک دانت مبارک کا کنارہ ٹوٹ گیا اور ابلیس لعین نے یہ آوازہ دیدیا کہ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی قتل ہو گئے جس سے لشکر اسلام کے حوصلے مزید پست ہو گئے اور ان کی عقلیں ماؤف ہو کر رہ گئیں اور حیرانگی و سرگردانی کا شکار ہو گئے سوائے معدودے چند حضرات کے اور دراصل بدر کے قیدیوں کو چھوڑنے کی صورت میں جن ستر افراد کی شہادت کو قبول کر لیا تھا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عہد کے تحت ستر پر ہی اکتفاء فرمایا ورنہ ظاہری صورت حال کے تحت شہداء اور زخمیوں کی یہ تعداد بالکل معمولی دکھائی دیتی ہے اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم یہ ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس شہید ہونے سے محفوظ رہی حالانکہ آپ پر ستر وار تلواروں کے

کفار کی طرف سے کئے گئے تھے اور اس طرح اہل اسلام کو آپ ﷺ کی سلامتی کے طفیل سکون و قرار نصیب ہو گیا اور اپنے قتل ہو نیوالے افراد کا غم بھی کم ہو گیا اور زخمیوں کو بھی اپنے زخموں کا درد و الم بھول گیا۔

غزوہ احد اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مساعی جمیلہ:

بدر والے غزوہ کے اگلے سال اور ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد پیش آیا۔ اہل اسلام کا اس میں اختلاف آراء ہو گیا کہ آیا شہر میں رہ کر لشکر کفار کا مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر کھلے میدان میں۔ نبی مکرم ﷺ بھی اسی پہلی رائے کو بہتر سمجھتے تھے لیکن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت اور قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کی عظیم جماعت کا یہ ارادہ اور مرضی تھی کہ کھلے میدان میں کفار کیساتھ مقابلہ کیا جائے۔ اگر ہم شہر میں قلعہ بند ہو کر جوابی کارروائی کریں گے تو دشمن اس کو ہمارے ضعف و ناتوانی پر محمول کریگا اور وہ ہمارے خلاف جرأت اور بہادری کے ساتھ حرب و قتال میں مصروف ہونگے۔ میدان بدر میں ہم تین سو کے قریب تھے اور بے سرو سامان تو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تھی جبکہ اب ہماری تعداد بھی زیادہ ہے اور حرب و قتال کا ساز و سامان بھی غزوہ بدر کی نسبت زیادہ ہے اور ہم مدت سے ایسے موقعہ کے آرزو مند اور طلبگار تھے کہ راہ خداوند تعالیٰ میں جہاد کریں۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا اور سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک اور انصار کی جماعت نے بھی عرض کیا:

انا نخشى يا رسول الله ﷺ ان يظن عدونا انا كرهنا الخروج جبناء عن لقاءهم فيكون هذا جرأة منهم علينا۔

(مواہب اللدنیہ مع زرقانی جلد ۲ ص ۲۲، مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۱۳)

ہمیں اندیشہ ہے کہ ہمارا دشمن گمان کریگا کہ ہم نے ان کے خلاف جنگ میں بزدلی کی وجہ سے

باہر نکلنا مکروہ اور ناپسندیدہ جانا ہے تو یہ ان کیلئے ہمارے خلاف دلیری کا موجب ہوگا۔
سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛

والذی انزل علیک الكتاب لا اطعم الیوم طعاما حتی اجالدهم بسیفی
خارج المدینة۔

اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی میں آج کے دن (سے)
کھانا نہیں کھاؤنگا (اور روزہ سے رہونگا) یہاں تک کہ کفار کے خلاف مدینہ منورہ سے باہر اپنی اس
تلوار کے ساتھ داد شجاعت نہ دے لوں۔ اور مروی ہے کہ آپ نے جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھا ہوا تھا
۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دشمن کے خلاف جنگ کی تیاری کا اذن دیدیا۔ ففرح الناس بذلك
لانہم لا غرض لہم فی الدنیا و زہرتہا لما وقر فی قلوبہم و ارتاحت لہ نفوسہم
من حب لقاء اللہ و المسارعة الی جنات النعیم۔ (مواہب مع زرقانی جلد ۲ ص ۲۳)

تو صحابہ کرام علیہم الرضوان خوش ہو گئے اس اذن کی وجہ سے کیونکہ ان کو دنیا اور اس کی
زیبائش و آرائش کے ساتھ تو کوئی غرض نہیں تھی بسبب اس امر کے جو ان کے قلوب میں قرار پذیر
ہو چکا تھا اور محبوب تھا اور ان کے نفوس اس میں راحتیں محسوس کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی لقاء اور
اس کی بارگاہ ناز کی حاضری کی محبت اور جنات نعیم کی طرف جلد از جلد رسائی کی آرزو و تمنا۔

جب جنگ شروع ہو گئی اور حرب و ضرب کا بازار گرم ہو گیا تو قاتل حمزہ رضی اللہ
عنہ فاتخن خصوصا فی الرؤساء حتی قتل ارطاة بن شرحبیل و کان احد
النفر الذین یحملون اللواء ولذا خصہ بالذکر (مواہب مع زرقانی ص ۳۰)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتال شروع کیا اور بالخصوص قریش کے رؤسا کو ٹڈیال اور بے بس
کیا حتیٰ کہ ارطاة بن شرحبیل کو قتل کر دیا جو کہ قریش کے علمبرداروں کی جماعت سے تھا اس لئے
اس کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔

تنبیہ:

ارطاة کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا یہ صاحب مواہب کا مختار قول ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اسے مولائے مرتضیٰ نے قتل کیا تھا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں کہ جب اہل اسلام نے یکبارگی کفار کی صفوں پر حملہ کر دیا تو اس دوران حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کفار کے علمبردار عثمان بن ابی طلحہ پر حملہ کیا:

تیغے بر میان هر دو شانہ وے زد کہ یکدست و شانہ اش بینداخت و شش او ظاهر شد و باز گشت حمزہ و میگفت انا ابن ساقی الحجیج۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۱۶)

آپ نے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان اس انداز سے تلوار کا وار کیا کہ اس کا ایک ہاتھ اور کندھا اس کے بدن سے کاٹ کر گرا دیا اور اس کی انتڑیاں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ اس کو قتل کر کے آپ لوٹے جبکہ کہہ رہے تھے کہ میں حجاج کرام کے ساقی یعنی حضرت عبدالمطلب کا فرزند دلہند ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب اہل اسلام اور کفار صف آراء ہو گئے تو سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی نے میدان میں آ کر لکا راہل من مبارز ہے کوئی میرے مقابلہ پر آئیوالاتو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کیلئے میدان میں آئے اور فرمایا:

یا بن ام انمار مقطعة البظور اتحاد الله و رسوله فشد عليه فکان کامس الذاهب وفي رواية کانما اخطاء رأسه۔ (ص ۳۲)

اے ام انمار کے بیٹے اے عورتوں کے ختنہ کرنیوالی کے بیٹے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے اور دشمنی و عداوت کا مظاہرہ کرتا ہے؟ چنانچہ ایسا وار اس پر کیا کہ وہ کل گزشتہ کی مانند ہو گیا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کا سر اس تیزی

سے قلم کیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا وار خطا ہو گیا ہے (بعد میں سرتن سے جدا ہو کر گرا تو وار کی تاثیر کا علم ہوا)۔

جب آپ میدان میں نکلے تو بقول علامہ طیالسی معلوم ہوتا تھا فاذا حمزة جمل اورق ماوقع له احد الاقمضه بالسيف کہ وہ سیاہی مائل رنگ والے اونٹ ہیں جو بھی ان کے سامنے آئے گا اس کا تلوار کیساتھ قلع قمع کر دیں گے۔

ابن اسحاق نے میدان کا رزار میں آپ کی کارکردگی بیان کرتے ہوئے کہا فجعل يهد الناس بسيفه تو آپ نے لوگوں کو اپنی تلوار کیساتھ یوں گرا نا شروع کیا جیسے دیوار ادھما کے سے گر جاتی ہے۔

ابن عائر کہتے ہیں رأيت رجلا اذا حمل لا يرجع حتى يهزمنا میں نے ایسا مرد دیکھا کہ جب حملہ آور ہوگا تو اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا جب تک ہم سب کو شکست سے دوچار نہیں کر دیگا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: وحشی میگوید اتفاقا در جنگ گاہ حمزه را دیدم کہ چوں شیر مست در میان قوم در آمدہ بود و صفوف لشکر قریش را در ہم می شکست۔ (مدارج جلد ۲ ص ۱۲۰)

وحشی کہتا ہے کہ اتفاق سے میں نے میدان جنگ میں حمزہ بن عبدالمطلب کو دیکھا کہ مست شیر کی مانند قوم کے درمیان آئے ہوئے تھے اور قریش کے لشکر کی صفوں کو شکست و ریخت سے دوچار کر رہے تھے اور درہم برہم کر رہے تھے۔

فائدہ:

علامہ طیالسی، ابن اسحاق اور ابن عائر نے بھی وحشی کے تاثرات بیان کئے ہیں جیسے کہ حضرت شیخ محقق نے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

نیز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے میدان میں نکلنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلی دفعہ آپ میدان کارزار میں آئے چنانچہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں؛ لیس المراد انه خرج فی ابتداء الحرب لان حمزة قاتل قبله وقتل عدة و لهذا آخر من قتله بل المراد خرج زمن اصطفا القوم۔ مواہب مع زرقانی ج ۲ ص ۳۲ یہ مقصد نہیں راوی کا کہ آپ اب حرب و ضرب کا آغاز کر رہے تھے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس سے قبل قتال بھی کیا اور بہت سے کفار کو قتل کیا اور جہنم واصل کر دیا اور سباع آخری شخص تھا جس کو آپ نے قتل کر کے صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ قوم کی صف بندی کے زمانہ میں آپ اس شان سے صفوں کے درمیان آئے جیسے کہ شیر ببر اور مست شیر وغیرہ وغیرہ تمثیلات بیان ہو چکیں۔

امیہ بن خلف کافر نے حضرت عبدالرحمان بن عوف کے سامنے تسلیم کیا کہ اس شخص نے میدان بدر میں ہم پر ہلاکتیں مسلط کیں اور میدان احد میں آپ نے اپنی شہادت سے پہلے تیس سے زیادہ کفار کو قتل کیا (کذا فی الاصابہ جلد اول ص ۴۰۱، ۴۰۲)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب اور کیفیت کا بیان:

وحشی بن حرب حبشی آدمی تھا اور جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور حالت کفر میں تھا۔ بدر کے غزوہ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ کو قتل کر دیا تھا تو جب لشکر کفار بدر کے میدان میں لاحق ہو نیوالی ذلت و رسوائی کا بدلہ لینے کیلئے ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینہ میں احد کی طرف چلے تو اس کو اس کے مالک نے کہا ان انت قتلت حمزة بعمی فانت حرا اگر تو میرے چچے طعیمہ کے بدلے میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے اور غلامی کا طوق تیرے گلے سے اتر جائیگا۔ علاوہ ازیں ہندہ بنت عتبہ کو بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر بہت ناراضگی تھی اور سراپا غیظ و غضب بنی ہوئی تھی تو جب بھی وحشی اور اس کا آئنا سامنا ہوتا تو اس کو آپ کے قتل پر برا بھلا کہتے کرتی اور انعام و اکرام کا وعدہ کرتی تو وحشی نے اپنی آزادی کے لالچ میں اور ہندہ کی طرف سے انعام حاصل

کرنے کے حرص میں اس مقدس ذات کو اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا۔ جس وقت سباع بن عبدالعزیٰ میدان میں آیا اور اس نے مقابلہ کا چیلنج کیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے میدان میں نکلے اور اس کو ایک وار سے واصل جہنم کر دیا اور اس کی زرہ اتارنے کیلئے اس پر جھکے تو اس دوران وحشی ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا کیونکہ سامنے آکر مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی اور وہ اپنا خنجر یا چھوٹا نیزہ دور سے پھینک کر مد مقابل کو نشانہ بناتا تھا اور اس کا وار بہت کم خطا ہوتا تھا اور ایک روایت کے مطابق وہ ایک درخت کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا اور حملہ کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ سباع کی زرہ اتارنے کے دوران آپ کا پاؤں پھسلا اور آپ گرے تو آپ کی زرہ آپ کے پیٹ سے ذرا ہٹ گئی تو اس نے فوراً اس جگہ اپنے نیزہ کو پھینکا تو وہ نشانہ پر لگا اور آپ کے پیٹ اور مثانہ سے پار ہو گیا۔ اس وقت بھی آپ نے اٹھ کر وحشی پر حملہ آور ہونے کی کوشش فرمائی۔ جعل ینوء نحوی فغلب فوق لیکن زخم کی شدت سے مغلوب ہو کر گر گئے۔ جب آپکا وصال ہو گیا تو وحشی نے آکر اپنا حربہ آپ کے جسم مبارک سے نکال لیا اور واپس جا کر لشکر گاہ میں بیٹھ گیا کیونکہ بقول اس کے لم یکن لی بغیرہ حاجة وانما قتلته لاعتق۔ (سبل الہدیٰ ج ۳ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

اور کسی سے چھیڑ چھاڑ اور حرب و قتال کی غرض ہی نہیں تھی اور ان کو بھی صرف اپنی آزادی کے حصول کیلئے قتل کیا تھا۔ چنانچہ ہندہ نے فوری طور پر اس کو اپنے زیور اور فالتو کپڑے بطور انعام دیئے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر دس اشرفیاں بطور انعام دیں اور اس نے آپ کا سینہ اقدس چاک کر کے دل جگر نکال کر اس کے حوالے کیا جس کو چبا چبا کر تھوکتی رہی اور پھر آپ کی نعش مبارک پر اسے لے گیا اور اس نے آپ کے کان، ناک اور زبان مبارک وغیرہ کاٹ کر اور ان کے ٹکڑے کر کے گلے کے ہار اور ہاتھوں پاؤں میں کنگن اور پازیبوں کے طور پر استعمال کئے اور اپنے دل کی غیظ و غضب اور بغض و عناد والی بھڑکتی آگ کو بجھانے کی سعی بلیغ کی جبکہ آپ کو راہ

خداوند تعالیٰ میں جہاد کرنے، شہادت پانے اور ایسے تشدد کا نشانہ بننے کی بدولت سید الشہداء کا عظیم ترین منصب عطا ہوا۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الشہداء۔

نوٹ:

وحشی بھی غزوہ طائف کے بعد مشرف باسلام ہو گیا اور جبیر بن مطعم بھی غزوہ احد کے بعد مشرف باسلام ہو گئے اور جناب ابوسفیان بھی بمع اپنی بیوی ہندہ کے فتح مکہ کے موقعہ پر مشرف باسلام ہو گئے جبکہ حضرت معاویہ قبل ازیں مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن والد کے خوف سے اعلان و اظہار اس کا نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی فتح مکہ کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے اسلام و ایمان کو شرف قبولیت بخشے ہوئے فرمایا؛

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلا وعدا للہ الحسنیٰ۔

تم میں سے فتح مکہ سے قبل راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کر نیوالوں اور جہاد و قتال کر نیوالوں کے برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا بلکہ ان کے درجات و مراتب پچھلوں کی نسبت بہت عظیم اور بلند تر ہیں لیکن دونوں فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

لہذا

ان کے حق میں تقصیر و تفریط اور تغلیظ و تشدید سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ جن کے وہ مجرم تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جب انہوں نے معاف کر دیا ہے تو ہمارے لئے سب و شتم اور تبرا بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی اور شہداء احد کے مقدس خون نے گلشن اسلام میں یہ نکھار پیدا کر دیا کہ ایسے سنگین دل اور سخت ترین دشمن بھی اسلام کی چوکھٹ پر سرنگوں

ہو گئے گویا سب شہداء کا بالعموم اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بالخصوص یہی نعرہ تھا اور زبان قال و حال اسی کیساتھ مترنم تھی۔

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مثلہ پر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا رد عمل:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد وحشی نے ہی آپ کا جگر مبارک نکال کر ہندہ کو پیش کیا اور اس نے اس کو دانتوں سے چبایا اور پھر تھوک دیا اور بعض روایات کے مطابق خود اس نے آپ کا بطن اقدس چاک کیا اور آپ کا جگر نکالا اور اس کو بار بار چبانے کے بعد تھوک دیا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو دخل بطنها لم تدخل النار اگر آپ کا جگر چبانے کے بعد نگل لیتی اور یہ اس کے پیٹ میں داخل ہو جاتا تو وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوتی۔

(استیعاب ص ۲۲۳)

جس قدر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لغش مبارک کا مثلہ کیا گیا اور کسی شہید کیساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا تھا۔ جب محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا حمزۃ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ شہداء کے سردار ہیں اور بعض روایات میں ہے خیر الشہداء ولولا ان تجد صفیۃ لترکت دفنہ حتیٰ یحشر فی بطون الطیور والسباع۔

(استیعاب لابن عبد البر ص ۲۲۲)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہداء میں سے بہتر و برتر شہید ہیں اور اگر ان کی سگی بہن اور میری پھوپھی حضرت صفیہ کے غم و اندوہ کے انتہاء کو پہنچنے اور ناقابل برداشت ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی تدفین کو ترک کر دیتا (تا کہ مزید تغلیظ و تشدید اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کرتے ہوئے پرندوں اور درندوں کا لقمہ بنیں) حتیٰ کہ بروز قیامت پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے ان کا حشر ہوتا (اور اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہوتے)۔

اور آپ کی خدمت میں اپنی طرف سے ہدیہ تبریک نذرانہ اخلاص پیش کرتے ہوئے

فرمایا:

میں ہرگز مصیبت زدہ نہیں ہونگا جیسے کہ تمہاری وجہ سے مصیبت زدہ ہوا ہوں اور نہ کبھی میں کھڑا ہوا ہوں کسی جگہ پر جو مجھے سخت غیظ و غضب میں ڈالنے والی ہو اس جگہ سے بڑھ کر۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر گریہ وزاری کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ وزاری کی۔ آپ ان کے جنازہ پر کھڑے ہوئے اور گریہ وزاری کی اور نالہ و فریاد میں آواز بلند فرمائی یہاں تک کہ آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ آپ نے اپنے رنج و الم اور دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

یا حمزۃ عم رسول اللہ، یا اسد اللہ و اسد رسولہ، یا حمزۃ یا فاعل الخیرات، یا کاشف الکربات یا حمزۃ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ ﷺ۔
(مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۹۱)

اے حمزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے، اے اللہ تعالیٰ کے شیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر، اے حمزہ اے تمام تر خیرات اور حسنات پر عمل کر نیوالے، اے حمزہ اے مصائب و مشکلات کے دور کر نیوالے، اے حمزہ اے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور تحفظ کر نیوالے۔

دوسری روایات میں آپ کا یہ خراج تحسین ان الفاظ میں مروی و منقول ہے:

رحمک اللہ ای عم فلقد کنت وصولا للرحم فعولا للخیرات۔ اے چچا جان اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے تم بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے اور بہت زیادہ نیک اور صالح کام کر نیوالے تھے اور خیر و بھلائی والے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ آپ کو اس طرح کی تشدید و تغلیظ کا نشانہ بنانے والوں کیلئے اپنا عزم اور ارادہ اس طرح ظاہر فرمایا۔

والله لئن اظفرننى الله بالقوم لامثلن بسبعين منهم -

بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قوم کفار پر فتح و ظفر عطا فرمائی تو ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کرونگا۔

فما برح حتى نزلت فان عاقبتهم فعاقبوا بمثل ما عوقبتهم به ولئن صبرتم فهو خير للصابرين واصبر وما صبرك الا بالله۔

آپ ابھی وہیں قیام پذیر تھے تو اس مقام پر ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ اگر کافروں اور مخالفوں کو عذاب و عتاب کا نشانہ بناؤ تو اتنا قدر ہی ان کو عذاب دو اور ان پر عتاب کرو جتنا قدر انہوں نے تمہیں عذاب و عتاب کا نشانہ بنایا ہے اور اگر صبر کرو (اور ان کی اس برائی کا بدلہ انہیں نہ دو) تو وہ صبر کر نیوالوں کیلئے بہتر اور بہت اچھا ہے اور آپ کیلئے صبر کی توفیق و استطاعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے

تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا بل نصبر و کفر عن یمینہ بلکہ ہم صبر کرتے ہیں مثلہ کا بدلہ نہیں لیں گے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔ (استیعاب ص: ۲۲۳)

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل فرمایا:

فلما رأى المسلمون حزن رسول الله ﷺ و غيظه على من فعل بعمه ما فعل قالوا والله لئن اظفرننا الله بهم يوما من الدهر لنمثلن بهم مثله لم يمثلهما احد من العرب (الى) عن محمد بن كعب قال حدثني من لا اتهم عن ابن عباس رضى الله عنهما ان الله انزل في ذلك فان عاقبتهم الآية۔

یعنی جب اہل اسلام نے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر حزن و ملال دیکھا اور اس شخص پر آپ کا غیظ و غضب ملاحظہ فرمایا جس شخص نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر یہ ظلم اور تعدی کی تھی تو انہوں نے یہ عہد کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری زندگانی میں کبھی کفار پر فتح و

نصرت عطا فرمائی تو ہم بھی کفار کا ایسا مثلہ کریں گے اور ان کے حلیئے اور شکلیں اس طرح بگاڑیں گے کہ عربوں میں کسی نے بھی ایسا مثلہ نہیں کیا ہوگا تو ثقہ راویوں کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اگر کفار اور مخالفین کو عتاب و عذاب کا نشانہ بناؤ تو اسی قدر جس قدر انہوں نے تمہیں ایذا اور تکلیف پہنچائی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کر نیوالوں کیلئے بہتر ہے تو رسول گرامی ﷺ نے عفو و درگزر کا عزم کر لیا اور صبر سے کام لیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی مثلہ سے روک دیا نیز اپنی قسم کا کفارہ ادا فرما دیا۔

محبوب کریم ﷺ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر کھڑے ہوئے اور ان کی صورت حال کا مشاہدہ فرمایا تو کہا:

لن اصاب بمثلک ابدا ما وقفت قط موضعا اغیظ الی من هذا ثم قال
جاءنی جبرئیل فاخبرنی ان حمزة مکتوب فی السموات السبع حمزة بن
عبدالمطلب اسد اللہ واسد رسولہ ﷺ۔ (البدایہ ج ۲ ص ۴۰)

اے حمزہ میں ہرگز آپ کے مماثل اور مانند (محبوب شخصیت) کیساتھ کبھی بھی دکھی نہیں کیا جاؤں گا اور میں نے کبھی بھی ایسی جگہ پر قدم نہیں رکھا جو میرے لئے اس جگہ سے بڑھ کر غیظ و غضب کی موجب ہو پھر فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں انہوں نے مجھے بتلایا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ساتوں آسمانوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کے شیر ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے شیر ہیں۔

بیان فوائد:

1. اقول:

یہ حقیقت کسی عقلمند شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ وہاں حضرت کے متعلق یہ اعزاز و امتیاز

لکھوانے کا صرف اور صرف یہی مقصد ہے کہ سبھی ملائکہ اس کو پڑھیں اور اس کے مطابق نظریہ و عقیدہ قائم کریں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیر ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر ہیں۔

2 ﴿ نیز یہ بھی واضح ہے کہ زمین پر تو جھوٹی تحریریں اور تقریریں ہو سکتی ہیں لیکن آسمانوں پر تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت اور اس کی رضا و پسندیدگی کے بغیر اس کی طرف اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی کی طرف سے ایسی غلط اضافت و نسبت اور تعریف و توصیف نہیں ہو سکتی تو لامحالہ ثابت ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ کو یہ اعلان کرانا محبوب و مرغوب تھا۔

3 ﴿ علاوہ ازیں رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امین علیہ السلام کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ زمین میں بسنے والے اہل ایمان کو بھی اس عقیدہ و نظریہ کا پابند بنائیں تاکہ ان کو اس جہان میں بھی اسی پیارے لقب کیساتھ یاد کیا جائے اور ہر ایک مسلمان کے دل میں ان کی عظمت راسخ ہو جائے اور ان کی عقیدت و محبت کا نقش گہرا ہو جائے

4 ﴿ نیز اس وہم فاسد اور خیال خام کا قلع قمع کرنا بھی مقصود ہے کہ ان میں اگر قوت و طاقت اور شجاعت و بہادری ہوتی تو ایسے بندہ بے نام کے ہاتھوں کیونکر جام شہادت نوش کرتے کیونکہ چھپ چھپا کر اس طرح کا کاری وار کر لینا کوئی بہادری اور دلیری نہیں ہے اور اس کا نشانہ بن جانا بھی شجاعت و بسالت اور شیریں و دلیری کے منافی نہیں ہے۔ اسی لئے آسمانوں میں ان کے اسد اللہ اور اسد الرسول ہونے کی تحریر ثبت فرمائی اور اہل زمین میں بھی اس کا اعلان کروایا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رد عمل اور قدرت خداوندی کا انتقام:

وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا مگر آمنے سامنے ہو کر مبارزت کی صورت میں نہیں بلکہ چھپ چھپا کر اور دور سے گھات لگا کر خنجر پھینک کر جس کی کامیاب نشانہ بازی میں وہ

معروف بھی تھا اور ماہر بھی اور یہ بھی اس وقت جبکہ آپ نبی مکرم ﷺ کے آگے کفار کیساتھ اس حال میں جنگ لڑ رہے تھے کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں اور بیک وقت دونوں کو استعمال کر رہے تھے سباع بن عبدالعزیٰ کے ساتھ مبارزت اور اس کو تہ تیغ کرنے کے وقت وحشی چھپ کر بیٹھا تھا اور گھات لگائے ہوئے تھا۔ اس کے قتل کرنے کے بعد آپ کا پاؤں پھسلا اور آپ گر گئے اور زرہ مبارک اوپر کو اٹھ گئی تو اس نے ناف والی جگہ کے خالی ہونے کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہاں پروار کر دیا اور خنجر اس جگہ سے پار ہو گیا۔ آپ وحشی کی طرف اس حال میں بھی دوڑے لیکن زخم موثر ثابت ہوا اور آپ اس تک رسائی سے پہلے گر گئے۔ بعد ازاں اس نے موقع پا کر اپنا خنجر بھی آپ کے جسم مبارک سے نکال لیا اور آپ کا جگر مبارک بھی نکال کر ہندہ کو پہنچایا اور اس نے اس کے ٹکڑے کئے اور چبا چبا کر تھوکتی رہی۔ واللہ اعلم کہ اس نے اس کو حکم دیا تھا یا خود ہی اس نے یہ چاکری پسند کی اور اس کو مزید خوش کرنے کیلئے یہ حرکت کی۔ اس کے بعد اس نے کسی کیساتھ تعرض اور چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی کیونکہ اس کو پابند ہی اسی امر کا کیا گیا تھا کہ تو نے حمزہ بن عبدالمطلب کو قتل کر دیا تو تجھے آزاد کر دیا جائیگا اور ہندہ نے اس اقدام پر اس کو مزید انعام دینے کا بھی وعدہ کیا تھا لہذا وہ اس اقدام کے بعد جا کر لشکر کفار کے پڑاؤ والی جگہ پر بیٹھ گیا۔ جب لشکر کفار مکہ مکرمہ کی طرف لوٹا تو یہ بھی ان کیساتھ مکہ شریف چلا گیا۔ وہاں اس کو مالک کی طرف سے آزادی بھی مل گئی اور ہندہ کی طرف سے موعود انعام بھی موصول ہو گیا۔ جب رسول گرامی ﷺ نے مکہ شریف کو فتح فرمایا تو یہ طائف کی طرف بھاگ گیا اور وہاں رہائش پذیر ہو گیا۔ جب طائف سے ایک وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام لانے اور اسلامی تعلیمات حاصل کرنے کیلئے نکلا اور اہل طائف بھی حلقہ اسلام میں داخل ہونے پر عازم ہو گئے تو اس کیلئے وہاں قیام پذیر رہنا ناممکن معلوم ہوا تو یہ سوچنے لگا کہ اب میں کدھر جاؤں، شام کا رخ کروں، یمن میں جا کر بسیرا کروں یا کسی اور علاقہ میں۔

اسی سوچ بچار اور فکر و اندیشہ میں گم تھا کہ اسے کہا گیا: **و یحک انہ واللہ ما یقتل احدا من الناس دخل فی دینہ و تشہد شہادۃ الحق**۔ افسوس ہے تجھ پر تو کن خیالوں میں گم ہے اور کیسی غلط سوچوں میں بھٹک رہا ہے بیشک قسم بخدا جو شخص ان کے دین میں داخل ہو جائے اور حق کی شہادت اور گواہی دیدے تو وہ اس کو قتل نہیں کرتے لہذا تو ان کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جا اور دین حق کو قبول کر لے اور دنیا و آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو بچا لے۔ چنانچہ وحشی نے یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے اس وفد میں شمولیت اختیار کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا۔ فلم یرعہ الا بی قائما علی رأسہ اتشہد بشہادۃ الحق وحشی کہتا ہے کہ نہ حیرت اور تعجب میں ڈالا آپ کو مگر میرے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر حق کی شہادت دیتے ہوئے کلمہ شہادت کے پڑھنے نے۔ تو آپ نے دریافت فرمایا کیا تو ہی وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے فرمایا بیٹھ جا اور مجھے بتلا تو نے کس طرح حضرت حمزہ کو شہید کیا۔ جب وحشی نے تفصیل بیان کی تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **و یحک غیب عنی و جھک فلا یرینک افسوس ہے تجھ پر مجھ سے اپنے چہرے کو غائب کر اور اپنی ذات کو مجھ سے دور کر میں تجھے ظاہری آنکھوں سے دیکھنے نہ پاؤں۔ چنانچہ وحشی کہتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹ کر رہتا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔**

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۱، ۱۳۲ اروض انف)

جب طائف کا وفد مدینہ منورہ میں حاضر ہوا جس میں وحشی بھی تھا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا **ہذا وحشی فقال دعوه فلا سلام رجل واحد احب الی من قتل الف رجل کافر۔**

(سبل الہدی ج ۴ ص ۲۱۶، ۲۱۷ اروض الانف ج ۲ ص ۱۳۲)

(للعلامہ السہیلی)

یہ وحشی ہے (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل اس کو قتل کیوں نہ کر دیا جائے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑو اسے کچھ نہ کہو۔ ایک آدمی کا اسلام قبول کر لینا مجھے ہزار کا فر آدمیوں کے قتل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ طبرانی میں مروی ہے کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحشی آیا تو بقول وحشی تفل فی وجہی ثلاث تفلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس کے منہ پر تھوکا پھر فرمایا؛ لاترنی وجہک مجھے اپنا چہرہ ہرگز نہ دکھلایا کر۔ دوسری روایت میں ہے کہ وحشی نے قاتل ہونے کے اقرار کے بعد مغفرت کی دعا کیلئے عرض کیا تفل فی الارض ثلاثة تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر تین مرتبہ تھوکا و دفع فی صدری ثلاثة اور تین دفعہ میرے سینہ پر تھپڑ سے رسید فرمائے اور فرمایا اے وحشی نکل اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر جس طرح کہ اس کی راہ سے روکنے کیلئے قتال کیا ہے۔ محدث صالحی فرماتے ہیں کہ آپ کی شرم و حیا کے پیش نظر زمین پر تین دفعہ تھوکنے والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور اس سے بھی نفرت کا اظہار واضح ہے۔

وحشی کہتا ہے کہ جب مسلمان کذاب کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے مجاہدین اسلام نکلے تو میں بھی ان کیساتھ اس جنگ میں شامل ہو گیا اور جس خنجر کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہی اپنے ساتھ لے لیا۔ جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور حرب و قتال کا سلسلہ شروع ہوا تو میں نے مسلمان کذاب کو کھڑے دیکھا در آنحالیکہ وہ ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھا تو میں نے اس پر وار کرنے کی تیاری کی اور دوسری طرف سے ایک انصاری جوان نے بھی اس پر حملہ کی تیاری کی۔ میں نے اپنے خنجر کو پھینکنے کیلئے ہوا میں لہرایا حتیٰ کہ جب مجھے اس کے نشانہ پر جا لگنے کا اطمینان ہو گیا تو میں نے اس سے مسلمان کو نشانہ بنایا اور وہ ٹھیک نشانہ پر جا اگا اور دوسری طرف سے انصاری نے بھی اس پر تلوار کیساتھ ضرب لگائی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا۔ فان كنت قتله فقد قتل خير الناس بعد رسول الله ﷺ وقد قتل شر الناس تو اگر اس کو میں نے قتل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین

شخص اور افضل ترین شخص کا قاتل بھی میں ٹھہرا اور رسول محتشم علیہ السلام کے بعد بدترین اور مبغوض ترین شخص کا قاتل بھی میں ٹھہرا اور معروف و مشہور قول بھی یہی ہے کہ وحشی نے ہی مسیلمہ کذاب کو جہنم واصل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جبکہ وہ خود اس جنگ میں موجود تھے۔ سمعت یومئذ صار خا یقول قتله العبد الاسود۔ چلا چلا کر اعلان کرنے والے کو کہتے ہوئے میں نے سنا کہ مسیلمہ کو سیاہ فام غلام نے قتل کیا ہے۔

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی سنگینی اور شدت:

اقول:

اگر وحشی اس ملعون کے قتل میں منفرد اور مستقل نہ بھی ہو تو شریک قتل ہونے کا اقرار لازمی طور پر کرنا پڑیگا اور یہ بھی کوئی نظر انداز کئے جانے والا معاملہ نہیں ہے بلکہ عظیم جزاء اور بدلہ کا متقاضی امر ہے اور اسلام لانا اور اس کا بارگاہ نبوی میں منظور و مقبول ہونا بھی ثابت ہو چکا جبکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اس کے قتل کرنے پر آمادہ تھے اور آپ کے اذن کے طالب تھے لیکن آپ نے فرمایا ایک آدمی کا اسلام لانا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے محبوب تر ہے لہذا اس کو کچھ نہ کہو اور مت چھیڑو جبکہ کافر مسلمان ہو جائے تو اس کے سابقہ گناہ اور غلطیاں کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں کما قال النبی ﷺ؛

الاسلام یهدم ما کان قبلہ

نیز فرمایا: حق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک باللہ شیئا۔

ارشاد نبوی ہے: لا احد یشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ

صدقا من قلبہ الا حرّمہ اللہ علی النار۔

(مشکوٰۃ کتاب الایمان)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام پہلے گناہ اور جرائم نیست و نابود کر دیتا ہے نیز فرمایا بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اور شرک نہ کرنے کی صورت میں یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب نہ دے۔ ارشاد نبوی ہے جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدق دل سے شہادت دے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے لیکن بایں ہمہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اس قاتل کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنا گوارا نہ فرمایا اور اس کو اپنی مجلس پاک میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی اور آپ نے اس کو اسلام لانے کے بعد مزید فیض صحبت سے مشرف ہونے کا موقعہ نہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے اخروی عذاب اور آتش دوزخ سے تو ایمان لانے کی وجہ سے بچا لیا اور آتش دوزخ اس پر حرام فرمادی لیکن دنیا میں اس کی پٹائی کراتا رہا اور حد شرعی بار بار اس پر جاری ہوتی رہی اور اس انداز میں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کیساتھ کئے جانے والے سلوک کا بدلہ اس سے لیا جاتا رہا اور لوگوں کی نظروں میں اس کی توہین و تحقیر اور تذلیل ہوتی رہی ابن ہشام فرماتے ہیں؛

فلغنی ان وحشیا لم یزل یحد فی الخمر حتی خلع من الدیوان و کان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول قد علمت ان اللہ تعالیٰ لم یکن لیدع قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ۔ سیرت ابن ہشام ص ۱۳۲

مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ وحشی پر ہمیشہ شراب خوری کی وجہ سے حد لگائی جاتی رہی حتیٰ کہ اس کا نام اسلامی بیت المال کے وظیفہ خوروں میں سے نکال دیا گیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے یقینی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو (مکمل طور پر) معاف نہیں کریگا اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے کہ ایسی عظیم ہستی کے قاتل کو (دنیا و آخرت میں) مکمل طور پر معاف فرمادے (لہذا آخرت میں) نہیں تو دنیا میں ہی اس کی پٹائی لروا تا رہا اور حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل ناخق کا بدلہ لیتا رہا۔

حالانکہ احد کی جنگ کا قائد اور سپہ سالار ابوسفیان تھا لیکن اس کے خلاف نہ نبی مکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کے بعد کسی نفرت اور ناپسندیدگی کا مظاہرہ فرمایا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف دنیا میں کوئی ایسی کاروائی ہوئی کیونکہ اس کی طرف سے حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق براہ راست قتل کرنے اور توہین آمیز سلوک کرنے کا اقدام نہیں پایا گیا تھا۔ الغرض وحشی کے ساتھ ہونیوالے اس سلوک سے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا عند اللہ تعالیٰ اور عند الرسول المقبول ﷺ مرتبہ و مقام اور مقبولیت و محبوبیت ظاہر اور واضح ہے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں بھی ان کی رفعت مقام اور عند اللہ حاصل ہونیوالی عزت و تکریم اور اکرام و احترام ظاہر اور واضح ہے والحمد للہ علی ذالک کہ وہ یہ امر باور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ہو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی طرح بھی سزا نہ دے اور توہین و تذلیل سے دوچار نہ کرے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا غسل ملائکہ ہوتا:

اس پر علمائے امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ شہید کیلئے غسل دینا مشروع نہیں ہے جبکہ دوسرے اموات جس قدر اعلیٰ درجہ و مرتبہ کے مالک ہی کیوں نہ ہوں انہیں غسل دینا لازم ہے اور ان کو بطور کفن کپڑے بھی دوسرے دیئے جائیں گے سلے ہوئے اور زیر استعمال کپڑے نہیں دیئے جائیں گے سوائے ضرورت اور مجبوری کے لیکن شہید کو انہیں خون آلود کپڑوں میں کفن دیا جائے گا اور اس کے خون آلود جسم پر ہی نماز جنازہ ادا کی جائیگی۔ اس خون نے ان کو بھی پاک کر دیا اور خود بھی پاک ہو گیا حتیٰ کہ قیامت کے دن شہداء اس حال میں قبروں سے اٹھیں گے کہ ان کے زخم تازہ ہونگے اور ان سے خون برآمد ہو رہا ہوگا لیکن اللون لون الدم والریح ریح المسک رنگت اس کی خون والی ہوگی لیکن خوشبو کستوری والی ہوگی اور یہ تازہ زخم اور تازہ خون اس کے راہ خدا میں اپنی جان قربان کرنے پر گواہ ہونگے لیکن اگر کوئی حالت جنابت میں شہید ہو جائے تو پھر اس کو غسل دینا چاہیے جس طرح کہ حضرت حظلہ کو حالت جنابت میں شہید ہونے کی

وجہ سے ملائکہ نے غسل دیا اور اس صورت حال کا سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا تو ان کی زوجہ محترمہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ انہیں غسل کی حاجت تھی لیکن جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے میدان کا رزار کی طرف نکلنے کا حکم سنایا تو وہ غسل کئے بغیر میدان احد کی طرف چل پڑے۔ یہی صورتحال حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی درپیش ہوئی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛

قال قتل حمزة جنبا فقال رسول الله ﷺ غسلته الملائكة -

(رواه الحاكم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں قتل کئے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو ملائکہ نے غسل دیا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛

ان رسول الله ﷺ قال لقد رأيت الملائكة تغسل حمزة -

(رواه ابن سعد سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد ج ٤ ص

٢٢٤، ٢٤٢ خصائص كبرى ج ١ ص ٢١٧)

تحقیق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے تھے۔

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے غزوہ احد میں ظاہر ہونی والی آیات قدرت اور معجزات و کرامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

ومنها تغسيل الملائكة لحمزة و حنظلة رضي الله عنهما كما تقدم -

(سبل الهدى ج ٣ ص ٢٢٢)

یعنی ان آیات و کرامات میں سے ہے ملائکہ کا حضرت حمزہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما

کو غسل دینا۔

نوری معصوم ملائکہ غسل دینے والے ہوں اور پانی بھی عالم بالا کا ہو اور اللہ رب العزت کے امر و حکم سے یہ کاروائی رو بہ عمل آرہی ہو تو یہ ان حضرات کیلئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ قرآن مجید گواہی دے رہا ہے کہ ملائکہ نیچے آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے امر سے کما قال؛ وما ننزل الا بامر ربك اور جو حکم اس کی طرف سے صادر ہو صرف اور صرف اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں کما قال؛ وہم بامرہ يعملون لہذا یہ بہت بڑا اعزاز و اکرام ہے ان دونوں حضرات کیلئے۔

شہدائے احد کی نماز جنازہ کی تحقیق:

شہداء احد رضی اللہ عنہم پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی یا نہیں اس میں مختلف روایات ہیں لیکن مختار اور رائج امر یہی ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی کیونکہ نفی اور اثبات میں جب تعارض و تناقض ہو تو اثبات والی روایات کو ترجیح ہوگی کیونکہ نفی کیلئے محیط علم درکار ہوتا ہے جبکہ اثبات کیلئے محیط علم کی ضرورت نہیں ہوتی ایک دفعہ ہی حاضر ہو اور اسی وقت وہ فعل وقوع پذیر ہو گیا ہو تو وہ اپنے قول و خبر میں صادق ہو سکتا ہے لیکن نفی کیلئے اول تا آخر وقت تک موجودگی موقعہ پر ضروری ہوگی لہذا احناف نے شہداء احد اور جملہ شہداء پر نماز جنازہ ادا کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔ شہید کا راہ خداوند تعالیٰ میں بہنے والا خون اس کو پاک کر دیتا ہے اور اس کے گناہ بیشک معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا کہ ان پر نماز جنازہ ادا نہ کی جائے بلکہ اس سے مزید طہارت اور درجات کی ترقی حاصل ہوگی اور اللہ کریم کے ہاں درجات و مراتب کی کوئی حد نہیں یکے بعد دیگرے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات متحقق ہیں اور وہ اپنے فضل و کرم سے اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو عطا فرماتا رہتا ہے۔ الغرض اگر طہارت اور تقدس شہید پر نماز جنازہ ادا کرنے میں مانع ہو سکتا تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی ادائیگی میں بھی مانع ہوتا اور جب اس قدر طیب و طاہر بلکہ مطہب و مطہر میں مانع نہیں بن سکا تو دوسری جگہ کیونکر مانع بن سکتا ہے اور نماز جنازہ کے

و جو ب و لزوم میں رکاوٹ کیونکر بن سکتا ہے؟ جب عام مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے اور اس کا یہ حق ہے جو اہل اسلام پر ادا کرنا لازم ہے تو جنہوں نے اسلام کی سر بلندی کیلئے اپنی جانیں قربان کیں ان کا بطریق اولیٰ یہ حق اہل اسلام پر واجب الاداء ہوگا اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے یہ حق ادا فرمایا اور بالخصوص سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو راہ خدا میں زیادہ تشدید اور تغلیظ کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ آپ کا دل جگر نکال کر ہندہ نے چبایا اور ناک مبارک کان مبارک وغیرہ اعضاء کاٹ کر سخت مثلہ کا نشانہ بنایا گیا تو ان پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زیادہ رحمت و رافت اور شفقت و کرم نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ستر دفعہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اب روایات ملاحظہ فرمادیں۔

1 ﴿عطاء ابن ابی رباح سے مروی ہے؛

ان النبی ﷺ صلی علی قتلیٰ احد اخرجہ ابو داؤود فی المراسیل یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس روایت کو ابو داؤود نے مراسیل میں ذکر فرمایا۔

2 ﴿عن جابر قال فقد رسول اللہ ﷺ حمزة رضی اللہ عنہ حین فاء الناس من القتال (الیٰ) ثم جنی بحمزة فصلى علیه ثم بالشهداء فیوضعون الی جانب حمزة فصلى علیہم ثم یرفعون و یتروك حمزة حتی صلی علی الشهداء کلہم و قال ﷺ حمزة سید الشهداء عند اللہ يوم القيامة۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۳۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو گم پایا جبکہ لوگ جنگ سے لوٹے (اور نعشوں کو سنبھالنے لگے) تو ایک آدمی نے عرض کیا میں نے ان کو فلاں درخت کے پاس دیکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف تشریف لائے تو جب ان کو قتل ہوئے اور ان کا مثلہ کئے ہوئے دیکھا تو زور زور سے رونے لگے۔ تب ایک انصاری شخص اٹھے

اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ پھر انہیں اٹھا کر آپ کے پاس جنازہ گاہ میں لایا گیا آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی پھر دوسرے شہداء لائے جاتے رہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھے جاتے رہے اور آپ ان پر نماز جنازہ پڑھتے رہے پس ان کو اٹھایا جاتا رہا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر رکھے رہتے تھے حتیٰ کہ تمام شہداء پر نماز جنازہ مکمل ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حمزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن تمام شہداء کے سردار ہیں۔

3 ﴿عن ابن مسعود (الی) فوضع النبی ﷺ حمزة رضی اللہ عنہ و جئى برجل من الانصار فوضع فی جنبه فصلى علیه فرفع الانصارى و ترك حمزة ثم جئى باخر فوضع بجانب حمزة فصلى علیه ثم رفع فصلى علیه يومئذ سبعین صلاة۔ (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو اپنے سامنے رکھا اور انصار میں ایک شہید کی نعش لائی گئی اور حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھی گئی پس آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی پھر انصاری کو اٹھالیا گیا اور حضرت حمزہ اپنی جگہ پر رکھے رہے پھر دوسرے انصاری کی نعش لائی گئی پس اس کو حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھا گیا تب آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر اس کو اٹھالیا گیا تو آپ نے اس دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر دفعہ نماز جنازہ پڑھی۔

4 ﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہما لما انصرف المشركون عن قتلى احد (الی) ثم قدم رسول اللہ ﷺ حمزة فکبر علیه عشرا ثم جعل یجماء بالرجل فیوضع و حمزة مکانہ حتی صلی علیه سبعین صلوة و کان القتلى يومئذ سبعین (اخرجه الدارقطني)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ جب احد کے

مقتولین پر سے ہٹ گئے (اور اہل اسلام نے اپنے شہداء کی تجہیز و تدفین کا کام شروع کرنے کا عزم فرمایا) تو آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو آگے رکھا پھر ان کے جنازہ پر دس تکبیریں کہیں پھر ایک ایک شہید کو لایا جاتا رہا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھا جاتا رہا جبکہ آپ اپنے اسی مقام پر رکھے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر دفعہ نماز جنازہ پڑھی اور احد کے شہداء کی تعداد ستر ہی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: بالجملہ روایات در جانب صلوة بر

(اشعة ج ۱ ص ۷۲۸)

شہداء راجح تر و غالب تر است

خلاصہ یہ ہے کہ شہداء پر نماز جنازہ پڑھے جانے کے بارے میں روایات بہت رائج

اور غالب و کثیر ہیں۔

جنازہ کی نماز نہ پڑھے جانے کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ان

کے والد اور ماموں غزوہ احد میں شہید ہو چکے تھے تو وہ ان کی نعشوں کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کا

بند و بست کرنے کیلئے مدینہ منورہ چلے گئے تھے لہذا ہمہ وقت ان کا موجود ہونا بھی ثابت نہ ہوا تو

اثبات والی روایات اس نفی والی روایت پر رائج ہو جائیں گی چنانچہ شیخ محقق فرماتے ہیں:

دلیل امام ابو حنیفہ احادیث کثیرہ است کہ در باب صلوة بر شہید آمدہ

است خصوصا در قصہ احد و میگویند آن احادیث مثبت اند و حدیث جابر نافی

و مثبت مقدم است بر نافی۔ گویند کہ جابر در آن روز مشغول بود بآنکہ پدر و

و خال وے کشتہ شدہ بودند و بمدینہ آمدہ بود تا تدبیرے کند و ایشاں را بمدینہ

برداشتہ آورد و آنہا کہ در حضرت رسول ﷺ بودند و فعل آنحضرت را مشاہدہ

کرده اند اثبات آوردند۔

(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۷۲۸)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ یعنی شہداء پر نمازہ جنازہ ادا کرنے کے وجوب و لزوم پر احادیث کثیرہ دلالت کرتی ہیں بالخصوص غزوہ احد کے قصہ میں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ احادیث نمازہ جنازہ کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت جابر والی روایت نماز جنازہ ادا کرنے کی نفی پر دلالت کرتی ہے جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ ثبوت و تحقق پر دلالت کرنے والی دلیل کو نفی پر دلالت کرنے والی دلیل پر تقدیم و ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ نیز علمائے احناف اور بعض محدثین جواب میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس دن بہت مشغول و مصروف تھے کیونکہ ان کے باپ اور ماموں شہید ہو چکے تھے اور حضرت جابر مدینہ منورہ آچکے تھے تاکہ ان کی نعشوں کو اٹھا کر مدینہ منورہ لانے کی تدبیر کریں۔ اس کے برعکس جو حضرات صحابہ کرام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اول تا آخر حاضر رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و عمل کا مشاہدہ فرماتے رہے تھے انہوں نماز جنازہ کی ادائیگی کو ثابت کیا ہے (لہذا انہیں کا قول و ارشاد راجح ہوگا اور واجب العمل والاقتداء)۔

شہدائے احد کی تدفین:

صحابہ کرام علیہم الرضوان فتح کے شکست میں بد لنے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوٹیں اور زخم آنے اور ایک نچلے دانت مبارک کا کنار اٹھانے کی وجہ سے اور ستر حضرات کے شہید ہونے کی وجہ سے جن میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے اسد اللہ اور اسد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوں اور بہت سے حضرات کے شدید زخمی ہونے کی وجہ سے بہت پریشان حال اور نڈھال تھے اس لئے عرض کیا کہ سارے شہداء کیلئے الگ الگ قبریں کھودنا ہمارے لئے بہت مشکل ہے جبکہ ہماری جسمانی کمزوری بھی مانع ہے اور زمین کا سخت ہونا بھی دشواری کا موجب ہے تو رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دیدی کہ دو دو اور تین تین افراد کو ایک ایک قبر میں دفن کرتے جاؤ اور بالخصوص جن میں دنیوی زندگی میں دوستی اور الفت و مودت تھی ان کو اکٹھے دفن کر دو اور جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہو

اس کو قبلہ کی سمت پہلے رکھنا اور دوسروں کو بعد میں ان کے پیچھے رکھنا۔

1 ﴿ امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل فرمائی ہے؛

امر رسول اللہ ﷺ يوم احد بالشهداء ان ينزع عنهم الحديد و لجلود و قال ادفنوهم بدماءهم و ثيابهم -

رسول مکرم ﷺ نے احد کے دن شہداء کے متعلق فرمایا ان کے بدنوں پر سے لوہے (کے خود اور زرہیں) اور چمڑے کی چیزیں اتار لی جائیں اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔

2 ﴿ ابوداؤد و درحمتہ اللہ علیہ نے ہشام بن عامر انصاری سے روایت نقل کی ہے کہ انصار علیہم الرضوان احد کے دن رسول گرامی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اصابنا قرح و جھد فکیف تامرنا؟ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں زخم بھی لگے اور تکلیف و مشقت میں بھی مبتلا ہیں ہمارے لئے (شہداء کی تدفین کے بارے میں) کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احفروا و اعمقوا و وسعوا و اجعلوا الرجلین و الثلاثة فی القبر الواحد۔ قبرین کھودو، ان کو گہرا کرو اور وسیع کرو اور دو یا تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرتے جانا۔ عرض کیا فایہم یقدم قال اکثرہم قرآنا کس کو آگے اور قبلہ کی سمت میں رکھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا یا جو اس کی تلاوت کثرت سے کیا کرتا تھا۔

3 ﴿ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛

وقف رسول اللہ ﷺ يوم احد بین ظہرائی القتلی فقال انا شہید علی ہؤلاء کفنوہم بدماءہم فانہ لیس جریح یجرح فی اللہ الا جاء يوم القيامة یدمی لونه لون الدم و ریحہ ریح المسک قدموا اکثرہم قرآنا فاجعلوہ فی اللحد۔

رسول اللہ ﷺ احد کے دن مقتولین کے درمیان تشریف فرما ہوئے پس فرمایا کہ میں قیامت کے دن ان کے حق میں گواہ ہوں گا ان کو خون آلود کپڑوں اور خون آلود جسموں کیساتھ کفن دو اور دفن کرو کیونکہ جو شخص بھی راہ خداوند تعالیٰ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں میدان محشر میں آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون رستا ہوگا اس کا رنگ خون والا ہوگا لیکن اس کی خوشبو کستوری والی ہوگی۔ ان شہداء میں سے جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہو اس کو پہلے لحد میں رکھنا (گویا وہ اپنے ساتھیوں کیلئے بمنزلہ امام کے ہوگا)۔

4 ﴿ ابن اسحاق نے بنی سلیم کے شیوخ اور اکابر سے یہ روایت نقل فرمائی ہے؛

ان رسول اللہ ﷺ قال یومئذ حین امر بدفن القتلی انظروا عمرو بن الجموح و عبد اللہ بن عمرو بن الحرام فانہما کانا متصافین فی الدنیا فاجعلوہما فی قبر واحد۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۳ ص ۲۲۵)

کہ رسول کریم ﷺ نے احد کے دن فرمایا جبکہ مقتولین کو دفن کرنے کا حکم دیا کہ عمرو بن جموح اور عبد اللہ بن عمرو بن حرام کا خاص خیال رکھنا کیونکہ وہ دنیا میں باہم قلبی محبت رکھنے والے تھے لہذا ان کو ایک قبر میں دفن کرو۔

کیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قبر انور میں اکیلے مدفون ہیں؟

اعرج ابن سمان نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے مقتل سے جو جبل رماۃ کے نیچے تھا اس ٹیلہ کی طرف منتقل کیا گیا جہاں اب آپ کا مزار شریف ہے اس وقت کفن کیلئے دو چادریں دستیاب ہو گئی تھیں لہذا ایک چادر کو امیر حمزہ کیلئے لفافہ بنایا گیا اور دوسری چادر کو حضرت مصعب بن عمیر کیلئے اور دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ رضی اللہ عنہما

عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے بعض حضرات کو بیان کرتے ہوئے سنا۔ ان عبد اللہ بن جحش بن رئاب قتل معہما و دفن فی قبر واحد و هو ابن اخت حمزۃ امہ

امیمہ بنت عبدالمطلب -

کہ عبد اللہ بن جحش بن رباب بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ قتل ہوئے تھے لہذا اس کو بھی ان دونوں کیساتھ ایک قبر ہی میں دفن کیا گیا اور عبد اللہ بن جحش حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہم شیرہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں یعنی آپ کے بھانجے ہیں۔

قال عبدالعزیز والغالب عندنا ان مصعب بن عمیر و عبد اللہ بن جحش دفنا تحت المسجد الذی بنی علی قبر حمزہ و انه لیس مع حمزہ احد فی القبر۔

عبدالعزیز محدث فرماتے ہیں کہ ہمارا ظن غالب یہی ہے کہ حضرت مصعب اور حضرت عبد اللہ اس مسجد کے نیچے مدفون ہیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف اوپر دربار پر تعمیر کی گئی ہے اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کیساتھ دوسرا کوئی شخص ان کی قبر میں مدفون نہیں ہے۔

(وفاء الوفاء للعلامہ نور الدین السمهودی ج ۳ ص ۱۱۴)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی مدینہ منورہ کی طرف اور فاطمہ بنت حمزہ کا اپنے ابا جان کی زیارت کا مشتاق ہونا:

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان جب مدینہ منورہ کی طرف واپس تشریف لائے تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لخت جگر حضرت فاطمہ بھی برسر راہ قیام فرماتھیں اور غور سے اس لشکر اور اس میں شامل حضرات کو دیکھ رہی تھیں لیکن ان کو اپنے والد گرامی نظر نہیں آرہے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نظر آگئے تو ان سے دریافت فرمایا میرے ابا جی کہاں ہیں؟ مجھے اس لشکر میں نظر نہیں آرہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل اس کے اس استفسار سے بہت دکھی ہوا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے فراق کی آگ ان کے دل حزین میں بھڑک اٹھی اور آنکھوں سے

آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور جواب میں فرمایا یہی ابھی ابھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ رہے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا میرے باپ کہاں ہیں تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من پدر تو باشم میں تمہارا باپ ہوں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ازیں سخن بوئے خون می آید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے تو خون کی بو آ رہی ہے یعنی یہ جواب ان کے شہید ہو جانے کی خبر دے رہا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بھی آنسو بہنے لگے ان کی گریہ وزاری دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے۔ انہوں نے عرض کیا میرے ابا جان کی شہادت کی کیفیت اور صورت حال میرے سامنے بیان فرمادیں تو آپ نے فرمایا اے فرزند اگر اندرا بیان کنم دل تو طاقت نیارد اے فرزند از جہنم اگر میں وہ صورتحال بیان کروں تو تمہارا دل اس کی تاب نہ لا سکے گا اور اسے سننے کی قوت برداشت نہیں رکھیگا۔ یہ جواب سن کر ان کی آہ وزاری میں مزید اضافہ ہو گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کس مہر سی پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا:

جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے اور اہل مدینہ صورتحال کی تفصیل سے آگاہ ہوئے جن میں چونٹھ انصاریوں کی اور چار مہاجرین کی شہادت اور بہت سے حضرات کا زخموں سے چور چور ہونا معلوم ہوا تو انصار کے اکثر گھروں سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے کسی کے رونے کی آواز سنائی نہ دی تو آپ نے فرمایا لکن حمزہ لا یواکی لہ میرے چچا حمزہ پر رونے والیاں تو نہیں ہیں۔ جب انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ فرمان سنا تو اپنی عورتوں کو پابند کر دیا کہ پہلے حضرت حمزہ کے گھر جائیں اور ان پر گریہ وزاری اور آہ و بکاء کریں اس کے بعد اپنے گھروں میں آ کر اپنے شہید ہونے والوں پر گریہ وزاری کریں چنانچہ بھی انصاری عورتیں

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو گئیں اور شام سے آدھی رات تک ان پر آہ و فغاں کی۔ آنحضرت ﷺ سو گئے تھے جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں تو دریافت فرمایا یہ کیسی آوازیں ہیں تو عرض کیا یہ انصار کی عورتیں ہیں جو آپ کے چچا جان پر گریہ وزاری اور آہ و بکاء کر رہی ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے ان کیلئے اور ان کی اولاد کیلئے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ رضی اللہ عنک و عن اولادک و عن اولاد اولادک و عن اولاد کن اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔ (مدارج بحوالہ معارج جلد ۲ ص ۱۳۲)

روضۃ الاحباب میں یہ اضافہ مروی و منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ عورتیں حضرت حمزہ کے گھر جمع ہوں اور ان پر گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کریں اور آپ نے گریہ وزاری اور نالہ و فریاد سے منع فرمایا اور سخت تاکید و تشدید کیساتھ منع فرمایا۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے اس فرمان لکن حمزہ لا بوا کی لہ سے صرف اور صرف یہ مقصد تھا:

اظہار تاسف و تالم بر غربت و مصیبت حمزہ بود کہ کشتہ شد بحالتی کہ معلوم است و غربت دیگر کہ کسی ہم ندارد کہ بروے گریہ کند۔

(مدارج ج ۲ ص ۱۳۲)

پریشانی اور افسوس کا اظہار کہ وہ اس قدر بے رحمی سے شہید کئے گئے اور تغلیظ و تشدید کا نشانہ بنائے گئے اور پھر مزید برآں یہ کہ ان پر دو آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں ہے جبکہ جنکو اس قدر بے رحمی اور تشدید کا نشانہ نہیں بنایا گیا ان کیلئے آنسو بہانے والے بھی بہترے ہیں اور ہمدردی و غمخواری کا اظہار کرنے والے بھی ہیں۔

لیکن انصار نے نبی مکرم ﷺ کے فرمان کا مقصد و مفہوم یہ سمجھا تو آپ کی رضا مندی

اور خوشنودی کیلئے اپنی عورتوں کو ادھر بھیج دیا اور ان کو رنج و الم کے اظہار اور گریہ و زاری اور آہ و فغاں کا حکم دیا جبکہ رونا بغیر نوحہ کے ممنوع بھی نہیں تھا بلکہ عین ممکن ہے کہ پہلے نوحہ گری بھی ممنوع نہ ہو بلکہ اس موقع پر اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا ہو اس لئے آپ ﷺ نے منع بھی فرما دیا اور اس میں سخت تاکید و تشدید بھی فرمائی۔ ہذا قال المحقق قدس سرہ لیکن ظاہر ہے کہ رونا بغیر نوحہ اور سینہ کو بی اور بغیر بال نوچے یا رانوں پر ہاتھ مارے شرعاً اب بھی روا ہے اور دل کے نرم و گداز ہونے کی علامت ہے اور بے صبری کے قبیل سے نہیں ہے لہذا عرصہ دراز تک انصار میں یہی معمول رہا کہ اگر کوئی مرگ مدینہ شریف میں وقوع پذیر ہوتی تو اپنے میت پر رونے سے پہلے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے وصال اور شہادت پر رنج و الم اور دکھ درد کا اظہار کیا جاتا رہا جیسے کہ واقدی نے بیان کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے اس فرمان کے بعد کہ حمزہ پر رونے والیاں نہیں ہیں فلم یزلن یبدآن بالندب لحمزة رضی اللہ عنہ الی الآن۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۹)

اس دن سے لیکر آج تک انصار کی عورتوں کا معمول یہی ہے کہ ابتدا حزن و ملال کے اظہار کی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے کرتی رہی ہیں۔ (و کذا فی الاستیعاب ج ۱ ص ۲۲۳)

ذکر الواقدی لم تبک امرءة من الانصار علی میت بعد قول رسول اللہ لکن حمزة لا بواکی له الی الیوم الا بدأت بالبکاء علی حمزة ثم بکت میتها۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ انصار کی کوئی عورت کسی میت پر آج تک نہ روئی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد کہ حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والی عورتیں نہیں ہیں مگر یہ کہ اس نے رونے کا آغاز حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے سے کیا اس کے بعد اپنے میت پر روئی اور رنج و الم کا اظہار کیا۔

شہداء کے مزارات کی زیارت کا حکم اور ان کی حیات کا بیان:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے فارغ ہو گئے تو خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجالانے کے بعد مسلمانوں کی ان کے مقتولین پر تعزیت

فرمائی اور انہیں اس اجر و ثواب کی خبر دی اور بشارت سنائی جو اللہ تعالیٰ نے ان شہدائے کرام کو عطا فرمایا۔ بعد ازاں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی من المؤمنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فممنہم من قضیٰ نجبہ و منهم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلاً یعنی اہل ایمان میں سے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے سچا ثابت کیا اس عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے کیا تھا جن میں سے بعض نے اپنی مدت عمر پوری کر لی اور کچھ حالت انتظار میں ہیں اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں پائی گئی یعنی شہداء احد بھی انہیں میں سے ہیں جنہوں نے عہد خداوندی کو کما حقہ نبھایا اور مدت عمر کو پورا کر لیا ہے۔ پھر ان کی زیارت کے متعلق ترغیب دی اور اس کے ثمرات بیان فرمائے۔

1 ﴿عن عبد اللہ بن ابی فروة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ زار قبور الشهداء باحد فقال اللهم ان عبدك و نبيك يشهد ان هؤلاء شهداء و انه من زارهم و سلم عليهم الى يوم القيامة ردوا عليه۔ (مستدرک حاکم ص ۳۱)

حضرت عبد اللہ بن ابی فروہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے شہداء احد کے قبور کی زیارت فرمائی تو کہا اے اللہ بیشک تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں اور یہ کہ جو شخص ان کی زیارت کریگا اور ان کو سلام دیگا تا قیام قیامت تو یہ اس کے سلام کو جواب دیتے رہیں گے۔

علامہ شامی رد المختار جلد اول باب زیارة القبور میں فرماتے ہیں؛

2 ﴿روی ابن ابی شیبہ ان النبی ﷺ کان یاتى علی قبور الشهداء باحد علی رأس کل حول۔

یعنی ابن ابی شیبہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول معظم ﷺ احد شریف میں شہداء کرام کی قبروں پر تشریف لاتے تھے ہر سال کے اخیر میں۔

نیز تفسیر درمنثور میں ہے؛

﴿3﴾ ان النبی ﷺ کان یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة هكذا کانوا یفعلون۔

بیشک نبی معظم ﷺ شہداء کرام کی قبروں پر ہر سال کے اختتام پر تشریف لاتے تھے پس ان کو فرماتے سلام ہو تم پر سب تمہارے صبر کرنے کے (اور راہ خداوند تعالیٰ میں یہ تکالیف برداشت کرنے کی وجہ سے) پس اچھا انجام اور بھلی عاقبت ہے تمہارے لئے دار جنت میں اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

﴿4﴾ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛

ان فاطمة بنت محمد ﷺ کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنہ تزور و تصلحه و قد تعلمته بحجر۔

سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کیا کرتی تھیں۔ اس کی مرمتی اور درستگی فرماتی تھیں اور اس کی پتھروں کیساتھ نشاندہی کر رکھی تھی

﴿5﴾ امام محمد باقر سے ہی مروی ہے؛

ان فاطمة رضی اللہ عنہا کانت تزور قبور الشهداء بین الیومین و الثلاثة۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شہداء احد کے مزارات کی زیارت فرمایا کرتی تھیں دو اور تین دن کے وقفہ سے۔

﴿6﴾ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛

ان فاطمة کانت تزور قبر عمها حمزة کل جمعة فتصلی و تبکی

(وفاء الوفاء ج ۳ ص ۱۱۲)

عندہ۔

سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی ہر جمعہ کو زیارت فرمایا کرتی تھیں وہاں نماز بھی ادا کرتی تھیں (اور ان کے فراق پر) آنسو بھی بہایا کرتی تھیں۔

تنبیہ:

انتہاء درجہ پردہ کی پابندی کے باوجود آپ کا بالعموم شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جانا اور بالخصوص سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر حاضری دینا اس زیارت کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے اور عورتوں کے حق میں اس کے جواز کو بھی واضح کرتا ہے بشرطیکہ جزع و فزع اور ندبہ و نوحہ تک نوبت نہ پہنچے محض آنسو برآمد ہونا دل کی رقت اور نرمی کی علامت ہوتا ہے اور یہ شرعاً جائز بلکہ لائق ستائش ہے۔

7 ﴿ ابن ابی شیبہ نے عبادہ بن ابی صالح سے نقل کیا ہے؛

لما قدم معاویہ ابن ابی سفیان حاجا جاء هم قال کان النبی ﷺ اذا واجه الشعب قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملين۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کرنے کیلئے حاضر ہوئے تو شہداء احد کے پاس بھی حاضری دی اور کہا کہ نبی محتشم ﷺ جب اس گھاٹی کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو فرماتے تم پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پیلا متی ہو بسبب تمہارے صبر کے پس اجر ہے ایسے عمل کرنیوالوں کیلئے۔

8 ﴿ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن میں میدان احد سے گزر رہی تھی تو میں نے کہا؛

السلام علیکم یا عم رسول اللہ ﷺ۔ سلام ہو تم پر اے رسول اللہ ﷺ کے چچا جان تو میں نے جواب میں سنا، وعلیک السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اور تجھ پر بھی سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

9 ﴿ عطف بن خالد مخزومی اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں

شہداء احد کے مزارات کی زیارت کیلئے گئی اور میرے ساتھ میرے دو غلام تھے جو کہ میرے گھوڑے کی حفاظت کیلئے تھے ان کے سوا اور کوئی شخص وہاں پر موجود نہ تھا اور میں نے سن رکھا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ان کو سلام دیا کرو وہ زندہ ہیں تو میں نے حضرات شہداء کو سلام پیش کیا اور سلام کا جواب بھی سنا اور میں نے کسی کہنے والے کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا:

واللہ انا نعرفکم کما یعرف بعضنا بعضا قالت فاقشعررت۔

بخدا ہم تمہیں اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ ہم میں سے بعض دوسرے بعض کو پہچانتے ہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور لرزہ بر اندام ہو گئی اور غلاموں سے کہا میری سواری جلد میرے پاس لاؤ پس جلدی سے سوار ہو کرو ہاں سے چل پڑی۔

(مدارج جلد ۲ ص ۱۳۵، مستدرک ج ۳ ص ۳۱)

10 ﴿عارف باللہ شیخ محمود کردی رحمہ اللہ اپنی کتاب الباقیات الصالحات میں تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کی تو جب سلام نیاز اور ہدیہ اخلاص پیش کیا تو واقعی اپنے دونوں کانوں کیساتھ سلام کا جواب سنا اور فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنا پھر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام انہوں نے حمزہ رکھا۔ (جامع کمالات اولیاء از علامہ زماں مولانا یوسف بن اسماعیل النہانی، جمال الاولیاء از اشرف علی تھانوی ترجمہ کمالات الاولیاء)

بیان فوائد:

1 ﴿گویا علمائے دیوبند کے حکیم الامت اور مجدد ملت کے نزدیک بھی حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مزار پر انوار میں جسمانی حیات کیساتھ زندہ موجود ہیں اور بوقت زیارت سلام پیش کرنیوالوں کا سلام صرف سنتے ہی نہیں بلکہ ایسا جواب بھی عطا فرماتے ہیں جو حسب معمول زائرین اپنے کانوں سے سماعت بھی فرماتے ہیں۔

2 ﴿ اور صرف زائرین ہی کو نہیں پہچانتے بلکہ ان کے گھریلو احوال بھی جانتے ہیں کہ حاضر خدمت ہونیوالے کی بیوی ہے یا نہیں؟ اور اولاد ہوگی یا نہیں؟ اور بیٹی پیدا ہوگی یا بیٹا پیدا ہوگا؟ اسی لئے فرمایا پیدا ہونیوالے بیٹے کا نام حمزہ رکھنا۔

3 ﴿ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نام آپ کو بہت محبوب اور مرغوب تھا بھی اور ہے بھی اسی لئے حضرت شیخ کردی کے فرزند ارجمند کیلئے یہ نام تجویز فرمایا اور ان کو اپنا ہم نام بنانا پسند فرمایا۔

حمزہ نام کی اہمیت اور محبوبیت:

مندرجہ بالا حوالہ سے ثابت ہوا کہ حمزہ نام رکھنا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھا اسی ضمن میں یہ بھی ذہن نشین فرمائیں کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام والی ہستی حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما جس طرح محبوب تھی اسی طرح یہ نام بھی آپ کو بہت محبوب اور مرغوب تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کو اپنی اولاد کو اسی اسم سے موسوم کرنے کی ترغیب دیتے تھے چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک صحابی اپنے لخت جگر اور نور نظر کو نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں لائے اور عرض کیا: ہذا ولدی فما اسمہ؟ قال سمہ باحب الناس الی حمزۃ بن عبدالمطلب۔ یہ میرا بیٹا ہے میں اس کا نام کیا رکھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے ہاں سب لوگوں سے محبوب ترین شخصیت حمزہ بن عبدالمطلب کے نام سے موسوم کر۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی و منقول ہے:

ولد لرجل منا غلام فقالوا ما نسمیہ فقال النبی ﷺ سموہ باحب

الاسماء الی حمزۃ بن عبدالمطلب۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۷، ۳۱۸)

ہمارے قبیلہ انصار کے ایک شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ اس کا نام کیا رکھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے نزدیک تمام اسماء

میں سے محبوب ترین اسم یعنی حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر (اس کا نام بھی حمزہ رکھو)۔

شہدائے اہل رضی اللہ عنہم کے اجساد مبارکہ کی کیفیت قبور مقدسہ میں:

زیارت قبور کے حق میں وارد روایات اور احادیث اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل قبور اپنے زائرین کا سلام سنتے ہیں ان کو جواب دیتے ہیں اور اگر دنیا میں باہم جان پہچان اور مودت و محبت ہو تو ان کے آنے پر انہیں بہت فرحت و شادمانی حاصل ہوتی ہے اور جب تک زائر وہاں موجود رہیں انہیں بہت انس اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اگر کامل و اکمل اور صالحین و شہداء ہوں تو ان میں یہ علم و ادراک عام اہل قبور کی نسبت بہت کامل و اکمل ہوتا ہے اور صدیقین میں ان سے بھی زیادہ اور انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ اور بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زائد اور اکمل ترین علم و ادراک اور معرفت و شعور متحقق اور ثابت ہے اور شہداء احد کی زیارت کے امر مسنون اور مستحسن ہونے کے ضمن میں مندرج روایات سے اس حقیقت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ اب مزید اس امر کی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے کہ آیا اس علم و ادراک کا تعلق محض ان کے ارواح سے ہوتا ہے ابدان سے اس کا تعلق نہیں ہوتا یا ابدان میں بھی یہ علم و ادراک اور عرفان پایا جاتا ہے۔ اس کی مفصل بحث بندہ کی اس موضوع پر مستقل کتاب جلاء الصدور فی سماع اہل القبور میں ہے۔ یہاں مختصر طور پر شہدائے اہل رضی اللہ عنہم کے مزارات کی حاضری اور ان کے سلام سننے اور جواب دینے کی مناسبت سے معروض خدمت ہے کہ شہداء کرام کے ارواح طیبہ کا ان کے اجسام مبارکہ سے مخصوص قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ قائم فرمادیتا ہے خواہ ارواح جنت میں ہوں یا عرش اعظم سے معلق قندیلوں میں ہوں اور اس تعلق کی وجہ سے ان اجسام میں بھی حیات اور اس کے لوازمات موجود اور متحقق ہو جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ارواح کا تعلق ان ابدان کیساتھ حلوی ہو جس طرح کہ دنیا میں تھا بلکہ انعکاسی اور ظلی تعلق بھی کافی ہوتا ہے جس طرح سورج کی ٹکیہ زمین سے لاکھوں میلوں کی مسافت پر ہے لیکن یہاں کی باری زندگیاں اور کارکردگیاں اور نشوونما کا دار و مدار اس کے عکس اور پرتو پر ہے اگر سال چھ ماہ سورج

طلوع نہ ہو تو ہر شئی خواہ نباتات ہوں یا حیوانات خواہ انسان نیست و نابود ہو کر رہ جائیں اور کاملین و اکملین کے ارواح کا تعلق اپنے ابدان سے اس سے بھی کامل و اکمل اور ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے تو ان کے ابدان کی حیات و زیست میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی۔

علی الخصوص جبکہ آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ اس حقیقت پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہوں۔

﴿1﴾ قال الله تعالى ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے متعلق مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور اور احساس نہیں ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿2﴾ ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله و يستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ان لا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (سورہ آل عمران)

نہ گمان کرو ان کو جو قتل ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں در آنحالیکہ فرحت و شادمانی میں ہیں اس سے جو انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور خوش و خرم ہوتے ہیں ان کے متعلق جو ابھی (قتل ہو کر یا فوت ہو کر) ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے (ان کے ایمان و اعمال صالحہ پر دائم و قائم رہنے کی وجہ سے) کہ ان پر عذاب و عتاب کا کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی وہ (جنت اور جزاء و ثواب سے محرومی یا کمی کی وجہ سے) حزن و ملال اور پریشانی سے دوچار ہونگے۔

ظاہر ہے کہ قتل کا محل و مورد اجسام ہوتے ہیں نہ کہ ارواح تو صاف ظاہر ہے کہ انہیں اجساد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حیات بھی اور علم و ادراک بھی ثابت کیا جا رہا ہے اور روایات و

مشاہدات بھی شہداء کے اجساد کی حیات و زیست پر دلالت کرتے ہیں لہذا اس دلالت کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔

1 ﴿ ابن مندہ نے طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اردت مالی بالغابة قادر کنی اللیل فاویت الی قبر عبد اللہ بن عمرو بن حرام فسمعت قرأۃ من القبر ما سمعت احسن منها الحدیث۔

میں نے غابہ کے مقام پر اپنے اموال کی دیکھ بھال کا قصد کیا تو وہیں مجھے رات نے آلیا تو میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی طرف رجوع کیا تو میں نے ان کے مزار سے قرآن مجید کی تلاوت ایسے خوبصورت انداز میں سنی کہ کبھی اس طرح کی پیاری اور پرکشش قرأت نہیں سنی تھی تو میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور یہ صورت حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عبد اللہ ہے (یعنی اسم باسما ہے) کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ارواح کو قبض فرمایا اور یاقوت و زمرد کی قندیلوں میں ٹھکانہ دیا پھر ان قنادیل کو جنت کے درمیان (یا جنت کے اعلیٰ طبقہ میں) معلق فرما دیا۔ فاذا کان اللیل ردت الیہم ارواحہم فلا تزال کذا لک حتی اذا طلع الفجر ردت ارواحہم الی مکانہا الی کانت فیہا۔ تفسیر مظہری۔ جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحوں کو ان کے اجساد اور قبور کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تو یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے (رات کو ادھر لوٹ آتی ہیں) جب فجر طلوع ہوتی ہے تو اپنے جنت والے مکان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔

اقول:

علیٰ ہذا القول یکتسب الشہید الدرجات و ثواب الطاعات بعد الموت ایضاً۔ اس قول کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ (صرف دنیوی اعمال کا اجر و ثواب ہی شہید کو نہیں ملتا بلکہ) شہادت کے بعد اپنی برزخی زندگی میں بھی طاعات بجالاتا ہے اور ان کی بدولت

مزید درجات اور ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔

﴿2﴾ شہیدوں کے اجسام قبور میں نہ بوسیدہ ہوتے ہیں نہ ہی زمین ان کو کھاتی ہے تو یہ بھی ان کے زندہ و پائندہ ہونے کے اثرات و ثمرات ہیں۔ الشہید لا یبلی فی القبر ولا تاكله الارض و لهذا ایضا اثر من آثار حیاته چنانچہ امام بیہقی نے نقل فرمایا؛

عن جابر قال استصرخنا الی قتلانا یوم احد حین اجرى معاویة العین فاتنیاهم فاخرجنا هم رطابا تشنی اطرافهم۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اپنے شہداء احد کی طرف بلایا گیا جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پانی کا نالہ گزارنا چاہا تو ہم ان کے قبور مبارکہ پر آئے اور ان کو نکالا تو وہ تروتازہ تھے ان کے اعضاء مبارکہ ہاتھ اور پاؤں کو ہم (جس طرف موڑتے تھے) مڑ جاتے تھے۔

﴿3﴾ قال شیوخ محمد بن عمر و جدوا والد جابر ویدہ علی جرحہ فامیطت یدہ عن جرحہ فانبعث الدم فردت الی مکانها فسکن الدم۔

(سبل الہدیٰ ج ۲ ص ۲۵۲)

محمد بن عمر راوی کے شیوخ نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کو قبور کی کھدائی کے دوران اس حالت میں کھودنے والے حضرات نے پایا کہ ان کا ہاتھ ان کے زخم پر رکھا ہوا تھا تو اس کو زخم پر سے ہٹایا گیا تو اس کے نیچے والے زخم سے خون پھوٹ پڑا۔ جب ہاتھ کو اپنی جگہ لوٹایا گیا تو خون بہنا بند ہو گیا۔

﴿4﴾ حضرت جابر فرماتے ہیں؛

رأیت ابی فی حفرتہ کانہ نائم والنمرة التی کفن فیہا کما ہی

والحرص علی رجلیہ علی ہنیئہ و بین ذالک ست واربعون سنة۔ ج ۲ ص ۲۵۲

میں نے اپنے والد گرامی کو اپنی مزار کے گڑھے میں اس حالت میں دیکھا کہ گویا وہ سوئے ہوئے ہیں اور وہ گدڑی جس میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ بھی اسی طرح صحیح و سالم تھی اور گلی سڑی نہیں تھی اور (گدڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ان کے سر پر درست کی گئی تھی اور قدموں پر گھاس ڈال دی گئی تھی) وہ قدموں پر ڈالی ہوئی گھاس بھی اسی سابقہ حالت پر برقرار تھی حالانکہ وقت دفن اور وقت اخراج میں چھیالیس سال کا وقفہ تھا۔

فائدہ:

گویا صرف ان کے اجسام مبارکہ ہی زندہ و پائندہ نہیں تھے جو کپڑے اور گھاس ان کے مبارک بدنوں سے مس ہو گئے وہ بھی دائم و قائم اور زندہ و پائندہ بن گئے اور قبر کی مٹی ان میں بھی کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہ کر سکی چہ جائیکہ ان کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر و تبدل پیدا کرتی۔

5 ﴿اصابت المسحاة رجل رجل منهم قال الشيوخ وهو حمزة رضي الله عنه فانبعث الدم۔﴾

کھدائی کے دوران بیلچہ ان شہداء کرام علیہم الرضوان میں سے ایک (کے پاؤں) کو لگا تو اس سے خون پھوٹ پڑا۔ شیوخ روایت فرماتے ہیں کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے جن کے ٹخنے سے بیلچہ لگرایا تو خون بہنے لگ گیا۔ کذافی مدارج النبوة جلد ۲ ص ۱۳۵

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لاینکر بعد هذا منکر یہ مناظر آنکھوں کیساتھ دیکھنے کے بعد حیات شہداء کا اور اس حیات کے بدنی اور جسمانی ہونے کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

6 ﴿لقد كانوا يحفرون التراب فكلما حفروا نفرة من التراب فاح عليهم ریح المسك۔﴾ (سبل الہدیٰ ج ۴ ص ۲۵۳)

قبر مبارکہ کو کھودنے والے کھودتے تھے تو جو نبی کدال یا بیلچہ کے ذریعے مٹی اٹھاتے اور

چھوٹا سا گڑھا بنتا تو اس سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی اور کھودنے والوں اور حاضرین کے مشاموں کو خوشبودار بنا دیتی تھی۔

فائدہ:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ان شہداء کی تدفین کے وقت تو وہاں کستوری نہیں چھڑکی تھی تو لامحالہ یہ جنت کی کستوریوں کی خوشبو تھی کیونکہ ان کے مزارات مبارکہ جنت کے باغات بنے ہوئے تھے کما قال علیہ السلام؛ القبر روضة من رياض الجنة یعنی مومن کامل کی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہوا کرتی ہے۔

﴿7﴾ امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے جو کہ عمر بن علی بن ابی طالب کے صاحبزادے ہیں ان سے روایت کی ہے فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے مدینہ منورہ سے شہداء احد کی زیارت کیلئے اپنے ساتھ لیا جمعہ کے دن صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جب مزارات مبارکہ کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے کہا؛ السلام علیکم بما صبرتم فنعیم عقبی الدار فاجیب وعلیک السلام یا عبد اللہ۔ سلام ہو تم پر بسبب تمہارے صبر کرنے کے (راہ خدا میں جان قربان کرتے وقت) پس اچھا انجام ہے دار جزاء میں تمہارے لئے تو ان کو جواب دیا گیا اور تجھ پر سلام ہوا اے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو والد گرامی میری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کیا تو نے مجھے سلام کا جواب دیا ہے میں نے عرض کیا نہیں میں نے تو جواب نہیں دیا ہے تو انہوں نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا اور پھر دوبارہ سلام کیا تو ان کو دوبارہ سہ بارہ سلام کرنے پر ہر بار اسی طرح جواب دیا جاتا رہا۔ فَخْرٌ سَاجِدٌ اشَارَ كَرَّمَ اللہُ تَوَوَّه اللہ تعالیٰ کے اس انعام و احسان پر (کہ ان شہداء کرام کی طرف سے مجھے سلام کا جواب دیا گیا اور سلامتی دارین کی دعادی گئی جو یقیناً مقبول ہے) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

تنبیہ:

شہداء کرام علیہم الرضوان تو ہر ایک سلام دینے والے کو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن اس کا سننا ہر ایک کو میسر نہیں ہوتا یہ سعادت بعض خوش نصیب اور باکرامت حضرات کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

فائدہ:

ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء احد رضی اللہ عنہم پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الوداعی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

8 ﴿ جیسے کہ مروی ہے عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بخاری وغیرہ میں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قتلی احد بعد ثمان سنین وفي رواية صلواته علی الصیۃ رواہ الطحاوی وغیرہ۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر نماز جنازہ ادا فرمائی شہید ہونے کے آٹھ سال بعد اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ صلاۃ مانند جنازہ کی صلاۃ کے تھی جس سے واضح طور پر صلاۃ کا نماز کے معنی میں ہونا ثابت ہو گیا اور دعا والی تاویل لغو ٹھہری۔ نیز آپ کا ہر سال شہداء احد کے قبور کی زیارت کیلئے تشریف لے جانا اور سلام و دعا فرمانا ثابت ہے تو پھر آٹھ سال بعد کی تخصیص دعا کیلئے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

سوال:

احناف تو میت کے مدفون ہونے کے تین دن بعد نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں رکھتے تو پھر آٹھ سال بعد کیسے نماز جنازہ کا ادا کیا جانا تسلیم کر لیا؟

قلت انما لایجیزون لان المیت ینفسخ فی القبر فی ثلاثة ايام واما

الشہید فقد ثبت انه لا تاكله الارض وهو ابدًا كيوم دفنه فلا بأس بالصلوة عليه
وقد صح عنه عليه السلام۔
(مظہری ج ۲ ص ۱۷۷)

جواب:

میں کہتا ہوں کہ عام اموات پر احناف تین دن کے بعد نماز جنازہ اس لئے جائز نہیں
ٹھہراتے کیونکہ میت قبر میں تین دن کے اندر پھول پھٹ سکتا ہے لیکن شہید کے حق میں ثابت
ہے کہ زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی اور وہ ہمیشہ کیلئے دفن والے دن کی کیفیت پر برقرار رہتا ہے
لہذا اس پر مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ کے بیت جانے کے باوجود نماز جنازہ ادا کرنے میں حرج
نہیں ہے بالخصوص جبکہ بانی اسلام اور صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت بھی
ہے (تو پھر چوں چرا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟) جب عام شہداء کرام کے اجساد مبارکہ حالت دفن
پر برقرار رہتے ہیں تو پھر سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے اصلی حالت پر قرار پذیر رہنے میں کسی مسلمان کو
شک و شبہ اور ریب و تردد کیسے ہو سکتا ہے؟

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی کرامت اور مزار اقدس پر قبولیت دعا:

حضرت علامہ علی قاری (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۸۳ پر) فرماتے ہیں:

وقع لابی العباس المریسی قدس سرہ انه خرج من المدينة المنورة
عازما لزيارة سيدنا حمزة رضي الله عنه فتبعه رجل فانفتح للشيخ باب تربته من
غير مفتاح فدخل فرأى رجلا من رجال الغيب فسأل الله العفو والعافية
والمعافاة في الدنيا والآخرة قال فرحمت على رفيقي فقلت له ادركت وقت
الاجابة فاطلب مقصودك من الله فسأل دينارا فرجعت فلما دخلت باب
المدينة ناوله رجل دينارا فدخلت على شيخى السيد ابى الحسن الشاذلى

فقال للرجل قبل نقل القضية يادنى الهمة ادر كت وقت الاجابة وسألت ديناراً
لم لاسألت العفو والعافية مثل ابى العباس۔

حضرت ابو العباس مری علیہ الرحمہ کو مدینہ منورہ سے نکلے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کے عزم اور ارادہ پر تو ایک اور شخص بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ (جب آپ مزار اقدس اور حجرہ مبارکہ پر پہنچے) تو مزار شریف اور تربت انور کا دروازہ خود بخود بغیر چابی کے کھل گیا اندر داخل ہوئے تو وہاں رجال غیب میں سے چند حضرات کو موجود پایا پس اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور معافات و درگزر کیلئے عرض کیا، دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت میں بھی عفو و عافیت اور معافات کیلئے عرض کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس رفیق شخص پر ترس کھاتے ہوئے کہا کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصود و مطلوب کا سوال کرتو اس نے ایک دینار کا سوال کیا پس میں حاضری دیکر واپس لوٹا تو جب مدینہ منورہ کے دروازہ میں داخل ہوا تو میرے ساتھی کو ایک شخص نے ایک دینار عطا کر دیا۔ پھر اپنے شیخ طریقت سید ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ معاملہ عرض کئے جانے سے قبل ہی اس شخص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے کم ہمت اے کمینہ خصلت تو نے اجابت و قبولیت کا وقت پایا اور اللہ تعالیٰ سے صرف ایک دینار کا مطالبہ کیا تو نے بھی اس طرح اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور عافیت و تندرستی کا مطالبہ کیوں نہ کیا جیسے کہ ابو العباس نے کیا۔

بیان فوائد:

اول:

تو اس حوالہ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت ثابت ہوئی کہ ایسے مخلص اور اکمل افراد کیلئے اپنے دربار و دربار کے قفل اور تالے خود کھول دیتے ہیں اور یہ اسی طرح کا منظر ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین کی اجازت مانگنے پر حجرہ مقدسہ نبویہ کا دروازہ خود بخود

کھل گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اجازت بخشی اوصلوا الحبيب الى الحبيب
میرے حبیب کو مجھ حبیب خدا کے پاس پہنچا دو۔

(امام رازی تفسیر کبیر سورہ کہف، جامع کرامات اولیاء علامہ نبہانی، جمال الاولیاء

اشرف علی تھانوی)

دوم:

کامل و اکمل حضرات در رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے ایام میں یہاں بھی حاضری

دیا کرتے تھے اور اس کو حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت اور رضا مندی اور نوازش کا

وسیلہ سمجھتے تھے۔

سوم:

رجال غیب بھی وہاں حاضری دیتے تھے، دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے لیکن چشم بینا اور

دل بینا ہی ان کو دیکھ سکتے ہیں۔

چہارم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار پرانوار قبولیت دعا کیلئے ترقاق بحرب ہے بالخصوص جب ایسی مقدس

ہستیاں بھی حاضر بارگاہ ہوں جن کو آپ اپنی روحانی اور قلبی توجہ اور فیضان کیساتھ نواز رہے ہوں

اور زائرین بھی سراپا تقویٰ و طہارت اور سراسر اخلاص ہوں۔

پنجم:

دعا مانگنے کا طریقہ اور سلیقہ یہی ہے کہ اس مقدس ہستی کی روحانیت سے استفادہ کرتے

ہوئے اور ان کو وسیلہ بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا مدعا اور مقصد طلب کیا جائے یا ان سے عرض

کیا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ حاجت پوری کرنے اور مشکل حل کرنے کا سوال کرو اور

ہمارے لئے دعا کرو۔

ششم:

بزرگان دین اور مومنین کا ملین کے قلوب میں اللہ تعالیٰ نور فراست پیدا فرما دیتا ہے جس سے وہ مخفی حقائق کو بھی مشاہدات کی طرح محسوس کرتے رہتے ہیں اسی لئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا رہتا ہے اور حدیث قدسی ہے فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں فرائض کی ادائیگی کے بعد کثرت کے ساتھ نوافل ادا کرنے والے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے کان میں ہوتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور آنکھیں میں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔

اور واضح ہے کہ محبوب ہستیاں وصال شریف کے بعد بھی محبوب ہی رہتی ہیں تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کے انوار سے ان کے ارواح اور اعضاء بالخصوص آنکھیں اور کان منور رہتے ہیں تو جب عام اہل اسلام قبروں میں دفن ہونے کے بعد زائرین کے سلام و کلام کو سنتے ہیں، ان کے قدموں کی رگڑ سے پیدا ہونیوالی آواز کو سنتے ہیں اور دوست اور جان پہچان والے زائر ہوں تو ان کو پہچانتے بھی ہیں اور ان کے قبور پر آنے سے ان کو مسرت و شادمانی اور فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے تو ان کا ملین و اکملین اور محبوبان رب العالمین کے علم و ادراک کی وسعت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کرامات بزبان اشرف علی تھانوی:

دیوبندی مکتبہ فکر کے حکیم الامت یوں رقمطراز ہیں:

آپ کی کرامتوں میں سے ایک وہ جس کو حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ حالت جنابت میں شہید کئے گئے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیدیا ہے اور ابن سعد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حمزہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیتے تھے۔

بیہقی نے واقدی سے روایت کی ہے کہ فاطمہ خزاہیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت حمزہ کی قبر کی زیارت کی تو عرض کیا السلام علیک اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا میں نے ان کا کلام سنا تو انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور میں نے عارف باللہ سیدی شیخ محمود کردی شیخانی مقیم مدینہ منورہ کی کتاب الباقیات الصالحات میں دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی تو جب سلام کیا اپنے کان سے واقعی طریقے سے سلام کا جواب سنا اور آپ نے انکو حکم دیا کہ اپنے لڑکے کا نام انکے نام پر رکھیں۔ پھر ان کے لڑکا ہوا اور اس کا نام انہوں نے حمزہ کہا۔

کاملین و اکملین اور شہداء و صدیقین کے ابدان میں خون کی گردش:

شہداء احد علیہم الرضوان کے قبور مبارکہ ان کی تدفین کے چھیالیس سال بعد بھی کھولے جانے پر ان کا صحیح و سالم برآمد ہونا اور ان کے اکفان کا اصلی حالت پر ہونا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ٹخنہ مبارک سے پیچھے لگنے پر خون کا جاری ہو جانا اور زخمی صحابی کے زخم والی جگہ سے ہاتھ مبارک جو زخم پر باندھ دیا گیا تھا پٹی کھول کر اٹھائے جانے پر خون کا جاری ہو جانا آپ پڑھ چکے ہیں اور اس پر دلالت کرنے والی روایات کا مطالعہ کر چکے ہیں جبکہ صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ پھر ان میں سے شہداء کرام کا مقام بہت بلند ہے تو وہاں پر اس طرح کے کرامات کیونکر ظاہر نہ ہوں جبکہ اس امت میں صدیوں بعد پیدا ہوئے والے صالحین اور اولیاء کرام سے بھی اس طرح کے کرامات ثابت ہیں اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کیا۔

چنانچہ صاحب دلائل الخیرات حضرت قطب وقت ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی رضی اللہ عنہ کے متعلق شیخ امام محمد بن احمد الفای مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات

(ص ۴۳) پر فرماتے ہیں:

ثم بعد سبع وسبعين سنة من موته نقل من سوس الى مراکش (الى)
فلما اخرجوه من قبره بسوس وجدوه كهئته يوم دفن لم تعد عليه الارض ولم
يغير طول الزمان من احواله شيئا (الى) وضع بعض الحاضرين اصبعه على
وجهه حاصرا بها فحصر الدم عما تحتها فلما رفع اصبعه رجع الدم كما يقع
ذالك في الحي-

ان کے وصال و دفن کے سترے ۷۷ سال بعد ان کے جسم مبارک کو قبر انور سے نکال کر سوس
سے مراکش کی طرف منتقل کیا گیا تو جب سوس والے مزار مبارک سے ان کو نکالا گیا تو اسی حال پر ان
کو برقرار پایا گیا جس حالت پر ان کو دفن کیا گیا تھا نہ زمین نے ان پر کوئی اثر کیا اور تبدیلی پیدا کی
اور نہ ہی طویل عرصہ مدفون رہنے کی وجہ سے ان کے احوال میں کوئی تغیر و تبدل رونما ہوا (ان کے
چہرے پر خون گردش کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا) تو بعض حاضرین نے ان کے چہرہ اقدس پر انگلی دبائی
خون کو روکنے کیلئے تو انگلی کے نیچے والی جگہ سے خون ادھر ادھر ہٹ گیا تو اس نے انگلی اٹھائی تو خون
واپس اپنی جگہ پر آ گیا جیسے کہ زندہ آدمی میں اس کیفیت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اہم ترین سوال:

مگر سوال یہ ہے کہ شہید ہو جانے پر بدن کا سارا خون بہہ جاتا ہے اور آخری قطرہ بھی
برآمد ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص بستر پر فوت ہوتا ہے تو اس کا خون بھی خشک ہو جاتا ہے اور اس کو
زخم لگانے پر ایک قطرہ خون کا برآمد نہیں ہو سکتا تو قبر کے اندر دفن ہو جانے اور مدتیں بیت جانے
کے باوجود وہ خون دوبارہ پیدا کس طرح ہو جاتا ہے اور برقرار کس طرح رہتا ہے اور تروتازہ کیسے
رہتا ہے اور اس کے طفیل بدنوں میں رطوبات کا پایا جانا اور اعضاء کا نرم و ملائم ہونا اور جدھر موڑنا
چاہئیں ادھر کو مڑ جانا کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟

نیز ان کی روحیں جنت میں ہوں وہاں انکو مختلف قسم کے رزق اور نعمتیں مہیا کی جائیں جس طرح کلام مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے تو وہ ارواح لاکھوں کروڑوں میلوں کی مسافت پر ہوتے ہیں تو ان ارزاق سے ان مقبور ابدان کو غذاء اور حیات اور تقویت و توانائی اور ان میں خون کی پیدائش اور اس کی برقراری اور بدن میں گردش کیونکر متصور ہو سکتی ہے؟

الجواب الصواب بتوفیق اللہ الوہاب

قرآن مجید کی آیات طیبات اور احادیث مبارکہ سے یہ امر مدلل انداز میں ثابت ہو چکا کہ اہل قبور کو اپنی اپنی قبروں میں ایک طرح کی حیاتی اور زندگانی حاصل ہوتی ہے جس سے قبروں کے اندر ان کو ثواب کی لذت اور راحت محسوس ہوتی ہے یا عذاب کی اذیت اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور قبور پر آنیوالوں کی جان پہچان اور ان کے سلام و کلام کا سماع اور جواب وغیرہ کی قدرت و استطاعت ان میں ہوتی ہے اور شہداء و صدیقین میں عام اموات کی نسبت وہ حیات وزیست اور علم و ادراک اور شعور و احساس اکمل طریقہ پر پایا جاتا ہے۔

اور یہ امر بھی کسی عقلمند سے مخفی نہیں رہ سکتا کہ قبور میں مدفون ابدان سے ارواح کے تعلق کے بغیر اس حیات کا اور علم و آگہی اور شعور و احساس کا قطعاً تصور نہیں کیا جاسکتا اور یہ امر بھی کسی عقلمند سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے کہ روح کو جنت میں جو راحتیں اور سہولتیں میسر ہوئیں وہ اس جسم کے مجاہدہ و ریاضت اور تکالیف شاقہ اور شدائد و مصائب برداشت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے اور جسم کے ٹکڑے کرانے کی بدولت ہی حاصل ہوئیں لیکن وہ دوسرے جسم میں داخل ہو کر اس کو کھلائے پلائے اور وہ راحتیں اور سہولیات اسے پہنچائے اور اصلی جسم ان سے سراسر محروم رہے یہ عدل و انصاف اور وفاداری اور لچپالی کے تقاضوں کے سراسر خلاف ہے تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس روح کا اس بدن سے بھی خاص قسم کا تعلق ہوتا ہے اور وہ نعمتیں اس بدن تک بھی پہنچتی ہیں قبر والا بدن ان سے مستفید ہوتا ہے اور اس میں حیات وزیست

اور شعور و آگہی اور علم و ادراک بھی پائے جاتے ہیں اور جس طرح دنیا میں خوراک کے ذریعے بدن کو طاقت اور توانائی ملتی تھی اور خوراک کی کمی و بیشی اور اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کی وجہ سے خون میں اور طاقت و توانائی میں کمی بیشی ہوتی تھی قبروں میں بھی یہ صورتحال پائی جاتی ہے اور ابدان میں اس کے اثرات محسوس و مشہود ہوتے رہتے ہیں اور اگر کوئی سائل ان مقبولان بارگاہ کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہو کر ان سے ان خداداد نعمتوں میں کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو وہ ان کو عطا فرمادیتے ہیں۔

حضرت ابو الخیر قطع تیناتی فرماتے ہیں؛ میں رسول گرامی ﷺ کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوا جبکہ میں بہت زیادہ بھوکا تھا تو میں نے عرض کیا؛ انا ضیفک یا رسول اللہ ﷺ و تنحیت و نمت خلف المنبر یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں اور مواجہہ شریف سے ہٹ گیا اور منبر شریف کے پیچھے سو گیا تو اس دوران میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے آپ ﷺ کے ماتھے مبارک پر بوسہ دیا۔ فدفع لی رغیفا فاکلت نصفه و انتبہت و بیدی النصف الآخر تو آپ ﷺ نے ایک روٹی میرے حوالے فرمائی تو میں نے آدھی کھائی اور جاگ پڑا در آنحالیکہ بقایا آدھی روٹی حالت بیداری میں میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ (الطبقات الکبریٰ للامام الشیرازی ج ۱ ص ۱۰۹)

یعنی محض خواب و خیال والی بات نہ تھی۔ صرف پیٹ اور منہ حاجت پوری ہونے کی گواہی نہیں دے رہے تھے بلکہ ہاتھ میں موجود روٹی کا بقایا نصف حصہ بھی اس کریم کے کرم اور ان کے جود و نوال کی شہادت دے رہا تھا اور سائل کے سوال کو قبولیت کیساتھ مشرف فرمانے کا شاہد تھا۔

سید احمد بریلوی صاحب جو کہ علمائے دیوبند اور غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ولی اور بزرگ ہیں۔ ان کے متعلق شاہ اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں تسلیم کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ

نے ان کو اپنے دست جو دونوں سے تین عدد چھوہارے کھلا کر کمالات نبوت کا مظہر بنا دیا اور فنانی الرسول کا مرتبہ عطا فرما دیا نیز ان کے خلیفہ اور عزیز سید محمد علی شاہ اپنی کتاب مخزن احمدی میں بیان کرتے ہیں کہ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کیلئے حضرت کی معیت میں ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ مراظہر ان جو وادی فاطمہ کے نام سے مشہور ہے اس میں داخل ہوئے۔ نصف شب کے قریب وادی سرف میں پہنچے جہاں حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے۔ عجائبات اتفاقات سے یہ معاملہ تھا کہ میں نے کھانا بالکل نہیں کھایا تھا۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو

از غایت گرسنگی طاقتم طاق و بدر رویم در طاق بود بطلب نان پیش
 ہر کس رویدم و بمطلب نرسیدم بنا چار برائے زیارت در حجرہ مقدسہ رفتیم و
 پیش تربت شریفہ گدایانہ ندا کرد گفتم اے جدہ امجدہ من مہمان شما ہستم
 چیزے خوردنی عطا فرما و مرا محروم از الطاف کریمانہ خود منہما آنگاہ سلام
 کردم و فاتحہ و اخلاص خواندہ ثوابش بروح پر فتوحش فرستادم آنگاہ نشستہ
 سر بر قبرش نہادہ بودم از رازق مطلق و دانائے برحق دو خوشہ انگور تازہ بدستیم
 افتادہ۔ (مخزن احمدی ص ۹۹)

بھوک کی شدت کی وجہ سے میری طاقت رخصت ہو چکی تھی اور چودھویں کے چاند جیسا
 چہرہ گرہن کا شکار اور بے نور ہو چکا تھا روٹی کی طلب میں ہر شخص کے پاس گیا دست سوال دراز کیا
 لیکن مطلوب تک رسائی حاصل نہ ہوئی۔ مجبوراً حجرہ مبارکہ میں حاضری دی اور تربت مبارکہ اور
 مزار اقدس کے سامنے گدایانہ انداز میں ندا دی اور سوال کیا اے نانی جان میں آپ کا مہمان ہوں
 کوئی کھانے کی چیز عطا فرماؤ اور مجھے اپنے الطاف کریمانہ سے محروم نہ رکھنا۔ اس وقت سلام نیاز
 عرض کیا سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر ان کا ثواب آپ کی روح پر فتوح اور منبع فیوض کو پیش کیا

اس وقت بیٹھ کر اپنا سران کے مزار مبارک پر رکھے ہوئے تھا کہ رازق مطلق اور دانائے برحق کی طرف سے دو خوشے تازہ انگوروں کے میسر ہو گئے اور ہاتھوں میں آ گئے۔

طرفہ تر آنکہ آن ایام سرما بود ہیچ جا انگور تازہ میسر نبود بحیرت افتادم و یکے از ہر دو خوشہ ہموں جا نشستہ تناول نمودہ از حجرہ بیروں شدم و یک یک دانہ بہر یک تقسیم کردم۔

طرفہ تماشا یہ کہ سردیوں کے ایام تھے اور کہیں بھی تازہ انگور میسر نہیں تھے میں (اس کرم کریمانہ پر) محو حیرت ہو گیا اور ایک خوشہ وہیں بیٹھے بیٹھے میں نے کھا لیا تب حجرہ مبارکہ سے باہر آیا اور دوسرے خوشہ سے ایک ایک دانہ ہر ہر ساتھی کو (بطور تبرک) پیش کیا۔

فائدہ:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المؤمنین نے اس گدایانہ فریاد کو سن بھی لیا، سمجھ بھی لیا اور اس گدا کو محروم التفات نہ فرمایا بلکہ خدا داد نعمتوں میں سے اس کو بھی خیرات عطا فرمادی اور اس کی حاجت پوری فرمائی اور اس نے از رہ تشکر عرض کیا اور ان کی بارگاہ اقدس میں اپنا نذرانہ عقیدت اور ہدیہ اخلاص اس انداز میں پیش کیا۔

یافت مریم گر بہنگام شتا میوہائے جنت از فضل خدا
ایں کرامت در حیاتش بود بس بعد فوتش نقل نبودہ است کس
بعد فوت زوج ختم المرسلین رفتہ چندیں قرنہاے دوریں
بگر از وے ایں کرامت یافتہ مایہ صد گونه نعمت یافتہ
حضرت مریم علیہا السلام نے اگر سردیوں کے موسم میں فضل خداوندی سے جنت کے پھل حاصل کر لئے تو ان کی یہ کرامت بس ظاہری حیات میں تھی۔ ان کے وصال شریف کے بعد ان سے اس طرح کی کرامت منقول نہیں ہے لیکن ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا

کے وصال شریف پر اتنی صدیاں بیت چکی ہیں اے نگہ بعید سے دیکھنے والے تو دیکھ کہ میں نے ان سے یہ کرامت پائی اور مشاہدہ کی ہے اور سینکڑوں نعمتوں جیسی ایک نعمت حاصل کرنے کا شرف اور اعزاز حاصل کیا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کا مرتبہ و مقام تو مخلوق کے وہم و گمان سے بالا تر ہے ان کی امت میں صدیوں بعد پیدا ہونیوالے ولی اپنے فیوضات و برکات سے حاضرین و سائلین کو مالا مال فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔ چنانچہ حضرت شیخ محمد ثمس الدین حنفی قدس سرہ العزیز و کا اعلان ہے۔

قال سیدی محمد رضی اللہ عنہ فی مرض موتہ من کانت لہ حاجۃ فلیأت الی قبری و یطلب حاجتہ اقضہا لہ فان ما بینی و بینکم غیر ذراع من التراب و کل رجل یحجبه عن اصحابہ ذراع من تراب فلیس برجل۔

(طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۹۶)

سیدی محمد حنفی رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض موت میں فرمایا جس شخص کو جس قسم کی حاجت درپیش ہو پس وہ میری قبر پر آئے اور اپنی حاجت طلب کرے تو میں اسکی حاجت کو پورا کر دوں گا کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہاتھ مٹی کا حجاب حائل ہے اور جس مرد خدا کو اپنے ساتھیوں سے ہاتھ بھر مٹی کی تہ حاجب اور مانع ہو جائے تو وہ مرد راہ خدا ہے ہی نہیں اور نہ اس کو یہ دعویٰ زیب دیتا ہے۔

الغرض جب ان مقبولان بارگاہ اقدس کو آخرت اور جنت کی نعمتیں میسر ہوں اور جو بھی سائل در پر حاضر ہو اس کا کاسہ گدائی بھی پُر فرمادیں اور ان کی بھوک پیاس وغیرہ دور کر دیں تو خود ان کو ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونے میں کیا مانع درپیش ہوگا؟ اور ان کے استعمال کے بعد ان کے قبوری اجسام میں حیات و زیست اور قوت و توانائی کے آثار اور ان کے اجسام مبارکہ اور دموی

رگوں میں خون کے گردش کرنے میں حیرت و استعجاب اور نفی و انکار کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ رہا یہ تو ہم کہ متمثل روح یا مثالی بدن میں جنت کے اندر کھائی جانے والی خوراک قبر والے بدن میں کیسے پہنچ سکتی ہے؟ تو اس تو ہم کا دار و مدار ارواح کی قوت و توانائی اور تدبیرات و تصرفات سے بے خبری پر ہے۔ ارواح کیلئے قرب اور بعد کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ہر بعید ان کیلئے قریب ہوتا ہے۔ ملک الموت کو بیک وقت مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور بر و بحر میں اموات کی ارواح قبض کرنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہیں آتی۔ اسی طرح کاملین و اکملین کے ارواح میں بھی اللہ تعالیٰ کے انوار سے منور ہو جانے کے بعد اسی طرح کی قدرت و طاقت اور استعداد و اہلیت ان میں موجود ہو جاتی ہے۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الذی یبطش بہا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: اذا صار نور جلال اللہ سمعہ سمع القریب و البعید و اذا صار نور جلال اللہ بصرہ راہی القریب و البعید و اذا صار نور جلال اللہ یدہ علی التصرف فی الصعب و السهل و القریب و البعید۔ جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال بندہ محبوب کے کان بن جاتا ہے تو قریب و بعید اور دور و نزدیک سے یکساں سنتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نور بندہ محبوب کی آنکھ بن جاتا ہے تو قریب و بعید کو (یکساں طور پر) دیکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا نور جلال اس بندہ محبوب کا ہاتھ بن جاتا ہے تو مشکل و آسان اور قریب و بعید میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

لہذا ایسی محبوب ہستیاں اپنے قبور والے ابدان میں اکل و شرب اور کھلانے پلانے کے لحاظ سے تصرف کریں تو اس میں کوئی وجہ استبعاد اور جائے تعجب نہیں ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مثالی بدن اور اس اصلی بدن میں روح کی وحدانیت کی وجہ سے اس طرح کا ربط و تعلق ہو کہ جو کچھ وہ بدن کھائے پیے وہ اس بدن میں پہنچتا رہے لیکن معمول اور عادت جاریہ سے ہٹ کر یعنی

منہ کے راستے اس بدن میں مشروبات و ماکولات داخل کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے جو ماکول و مشروب اس بدن میں داخل ہو باہمی اتحاد کی وجہ سے اس بدن میں بھی حلول و سرایت کر جائے۔ یہ امر محل تعجب نہیں ہو سکتا کیونکہ روح ایک ہے اور وہی متمثل ہو کر جنت میں کھاپی رہی ہے حالانکہ اس عالم اسباب میں ہوتے ہوئے اور ابدان و ارواح بھی الگ الگ ہونے کے باوجود ہو سکتا ہے کہ ایک شخصیت لقمے اپنے منہ میں ڈالے اور وہ دوسرے کے پیٹ میں چلے جائیں اور اسے محسوس بھی ہو کہ میرے پیٹ میں خوراک پہنچ گئی ہے جیسے کہ حضرت شیخ محمد شمس الدین حنفی قدس سرہ العزیز کے متعلق امام شعرانی نے طبقات کبریٰ میں نقل فرمایا ہے۔

کان اذا تذکر احدا من اصحابہ الغائبین عن السماط یا کل الشیخ عنہ
لقمة او لقمین فتزل فی بطونہم فی ای مکان کانوا ثم یجیئون و یعترفون
بذالک۔ (طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۹۶)

اگر حضرت شیخ رضی اللہ عنہ دسترخوان پر تشریف فرما ہوتے اور اپنے غائب ساتھیوں میں سے کوئی یاد آ جاتا (اور آپ اس کو بھی اس کھانے میں شریک فرمانا چاہتے) تو اس طرف سے حضرت شیخ ایک یا دو لقمے تناول فرماتے تو وہ اس غلام کے پیٹ میں پہنچ جاتے خواہ جس مکان (قریب یا بعید) میں ہوتا پھر جب وہ حاضر خدمت ہوتے تھے تو ان لقموں کے ان کے پیٹوں میں پہنچنے کا اقرار و اعتراف بھی کرتے تھے۔

مقام غور ہے کہ روحیں الگ الگ ہیں، ابدان الگ الگ ہیں صرف روحانی تعلق پیری مریدی یا دوستی یاری والا ہے تو اس تعلق کے پیش نظر حضرت شیخ کے منہ مبارک میں داخل ہونیوالے لقمے ان غلاموں اور دوستوں کے پیٹوں میں پہنچ سکتے ہیں تو جس بدن کی قربانیوں سے اور مجاہدات و ریاضات سے اور شداکد و تکالیف برداشت کرنے کی بدولت صدیقین اور شہداء و صالحین کو یہ مرتبہ و مقام اور اعزاز و اکرام نصیب ہوا ہے اور ان عظیم نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں تو وہ اس بدن کو

کیسے بھلا سکتے ہیں اور نظر انداز کر سکتے ہیں اور ان نعمتوں سے محروم کر سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں ہرگز نہیں تو پھر ان میں تازگی اور رطوبت کا پایا جانا اور انکا سوئے ہوئے زندہ آدمی کی طرح ہونا اور انکے اعضاء کو جدھر موڑیں ان کا ادھر مڑ جانا اور ان میں خون کا گردش کرنا اور زخم لگنے پر خون بہنے لگ جانا قطعاً محل تعجب اور جائے انکار نہیں ہو سکتا اور بالخصوص جس ہستی کو صحابیت کا شرف بھی حاصل ہو اور مہاجر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہو اور اہل بیت کرام میں عظیم مرتبہ و مقام حاصل ہونے کا شرف و فضل بھی حاصل ہو اور سید الشہداء ہونے کا اعزاز و اکرام اور امتیاز بھی حاصل ہو ان کے حق میں اس امر پر حیرت و استعجاب کے اظہار اور رد و انکار کی جرأت و جسارت کی قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی کہ ان کا جسم اقدس نرم اور ملائم کیوں تھا اور اس بدن اقدس سے ٹخنہ پر پیچہ وغیرہ لگنے سے خون مبارک کیسے جاری ہو گیا وغیرہ وغیرہ هذا واللہ ورسولہ اعلم۔

فقر و درویشی:

بالعموم صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بالخصوص مہاجرین فقر اور درویشی کی حالت میں تھے اموال و امتاع مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں منتقل ہو گئے تھے اور ان کی اس حالت فقر کو کلام مجید نے بھی اس طرح بیان فرمایا: للفقراء الذين اخرجوا من ديارهم و اموالهم يتغون فضلا من الله و رضوانا الآية یعنی مال فنی وغیرہ ان فقراء مہاجرین کیلئے ہیں جن کو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالا گیا اور الگ تھلگ کر دیا گیا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا طلب کرنے والے ہیں۔ بالخصوص سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی فقر میں اور فاقہ مستی میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے کہ کفن کیلئے لفافہ بھی کامل دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر موجود تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان ان پر کبل کو درست کر رہے تھے کھینچ کر سر مبارک کی جانب پورا کرتے تو آپ کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور قدموں پر پورا کرتے تھے تو

سر مبارک ننگا ہو جاتا تھا تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: اجعلوها علی وجهہ واجعلوا علی قدمیہ من ہذا الشجر اس کہل کو ان کے چہرہ اور سر پر پورا کر دو اور ان کے قدموں پر ازخراور حزل وغیرہ پودوں کو کاٹ کر ڈال دو۔ قال فرفع رسول اللہ ﷺ رأسہ فاذا اصحابہ یسعون فقال ما ینکم؟ قیل یا رسول اللہ ﷺ لانجد لعمک الیوم ثوبا واحدا

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۰)

ابو اسید ساعدی نے فرمایا کہ سرور عالم ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان رو رہے ہیں تو دریافت فرمایا کہ تمہیں کون سی چیز رلا رہی ہے تو عرض کیا کہ (اپنی اس حالت فقر پر رو ہے ہیں) کہ ہمیں آپ کے چچا جان کیلئے ایک ایسا کھلا کپڑا بھی دستیاب نہیں جو ان کا پوری طرح احاطہ کر سکے اور سارے جسم مبارک کو چھپا سکے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں وہ دو کپڑے لائی تھیں تاکہ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کی جائے تو نبی رحمت ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنی امی کو راہ میں روک دو (حضرت حمزہ تک پہنچنے نہ پائیں اور ان کی مثلہ وغیرہ والی حالت دیکھ کر غم و اندوہ ان کیلئے ناقابل برداشت نہ ہو جائے) تو وہ ان کے سامنے آئے تاکہ انہیں روکیں تو آپ نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا نہ تیرے اس عمل پر میں راضی ہوں اور نہ میں تیری امی (تو کون ہوتا مجھے بھائی کا دیدار کرنے سے روکنے والا) چنانچہ آپ موقع پر پہنچ گئیں تو اس جگہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کیساتھ ایک انصاری شہید بھی پڑے ہوئے تھے ان کیلئے بھی لفافہ دستیاب نہیں تھا تو ان دو کپڑوں میں سے جو آپ لائی تھیں جو زیادہ کشادہ تھا اس کو حضرت حمزہ کے کفن میں استعمال کیا گیا اور دوسرا کپڑا اس انصاری کے کفن میں استعمال کیا گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مشکل مطالبہ اور انجام کار:

عمار بن ابی عمار سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ مجھے جبریل امین علیہ السلام اپنی اصلی حالت میں دکھلائیں تو آپ نے فرمایا تم میں یہ استطاعت نہیں ہے کہ انہیں اصلی حالت میں دیکھ سکو تو انہوں نے اپنے مطالبہ کے پورے کئے جانے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا تم اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تو اس دوران جبریل علیہ السلام کعبہ شریف میں رکھی ہوئی ایک لکڑی پر نازل ہوئے جس پر قریش اپنے کپڑے رکھا کرتے تھے جبکہ بیت اللہ شریف کے گرد طواف کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ارفع طرفک فانظر فاذا قدماہ مثل الزبرجد الاخضر فخر مغشیا علیہ نگاہ اٹھاؤ پس دیکھو تو انہوں نے نگاہ اٹھائی تو ناگاہ حضرت روح الامین کے قدم سبز مرد کی طرح دکھائی دیئے تو آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۸)

ہندہ کا انجام:

ہندہ اگرچہ مشرف باسلام ہو چکی تھی لیکن جس طرح وحشی کا اسلام لانا اس کے مکمل تحفظ اور کامل فلاح کا ذریعہ نہ بن سکا اسی طرح ہندہ کے متعلق بھی روایات سے انجام کار شدت اور سختی کا پیش آنا معلوم ہوتا ہے چنانچہ وحشی نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا دل جگر نکال کر ہندہ کو پیش کیا تو اس نے آپ کے جگر اقدس کا ٹکڑا چبایا اور اس کو نگلنا چاہا کیونکہ اس نے نذرمان کھی تھی لتا کلن من کبدہ کہ وہ ضرور بالضرور ان کے جگر کو کھا یگی فلم تستطع ان تبتلعها فلفظتها لیکن وہ اس کو نگل نہ سکی پس منہ سے باہر پھینک دیا تو جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتحال کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

ان الله حرم على النار ان تذوق من لحم حمزة ششیا ابدا بیشک اللہ تعالیٰ

نے آتش دوزخ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے گوشت سے ذرہ بھر کو بھی کھائے۔

(فائدہ)

جبکہ ظاہر ہے آپ کے جگر کے ٹکڑے نے ہندہ کے بدن کی جزو بننا تھا تو اگر وہ دوزخ کی آگ سے مکمل طور پر اور دائمی طور پر محفوظ رہتی تو آپ کے جگر مبارک کا وہ ٹکڑا بھی مکمل طور محفوظ رہتا تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس کو اسلام لانے اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے باوجود اس گستاخی اور بے ادبی اور زیادتی اور تعدی کی سزا کسی حد تک بھگتنا ہوگی اسی لئے اس روایت کے راوی مسمیٰ بہ محمد نے یہ تبصرہ فرمایا ہذہ شدائد علیٰ ہند المسکینۃ۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۹ یہ (بیان ہے ان) شدائد اور سختیوں کا جو ہندہ مسکینہ پر نازل ہونے والی ہیں۔
واللہ ورسولہ اعلم

ازواج و اولاد:

آپ کی ایک زوجہ بنت المملۃ بن مالک تھیں اور ان سے آپ کے ایک صاحبزادے یعلیٰ نامی تھے جن کی نسبت آپ کی کنیت ابو یعلیٰ ہے اور دوسرے عامر نامی صاحبزادے تھے جو بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ دوسری زوجہ خولہ بنت قیس بن فہد انصاریہ تھیں اور ان سے آپ کے صاحبزادے عمارہ کا تولد ہوا اور ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی کنیت ابو عمارہ بھی ہے۔ تیسری زوجہ آپ کی سلمیٰ بنت عمیس تھی جو کہ اسماء بنت عمیس کی بہن تھیں اور ان سے آپ کی صاحبزادی امامہ کا تولد ہوا اور اسی امامہ کی کفالت کے بارے میں مولائے مرتضیٰ اور حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کا اختلاف ہوا کہ کون اس کی کفالت کرے تینوں حضرات میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ کفالت کرے لیکن چونکہ ان کی خالہ حضرت اسماء حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ

تھیں تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالہ ماں کی جا بجا ہوتی ہے لہذا ان کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما دیا۔

آپ کے صاحبزادے یعلیٰ میں سے ان حضرات کا تولد ہوا عمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد رضی اللہ عنہم لیکن بھی بچپن میں ہی انتقال فرماتے گئے۔ فلم یبق لحمزة بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ولد ولا عقب۔ طبقات ج ۳ ص ۷۷ تو نہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کیلئے کوئی بیٹا رہا اور نہ آپ سے نسل جاری ہو سکی۔

اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ الرَّسُوْلِ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ

سیدنا محمد ﷺ

کے
عمومی فضائل اور امتیازات و خصائص

صفحہ

اشرف العلماء شیخ الحدیث

علامہ محمد اشرف سیالوی
زید مجدہ
العالی

ناشر

جامعہ غوثیہ مہر یہ منیر الاسلام

یونیورسٹی روڈ سرگودھا

سیدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حسی نسبیت:

آپ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ ثویبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور بعد ازاں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آباء و اجداد اور امہات و جدات کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبہ و مقام کے مالک ہیں تو وہ فضائل اور امتیازات حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تسلیم کرنے بھی لازم اور ضروری ہیں۔

1 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

میں ہر دور میں بہترین اہل زمان اور افضل ترین ہم عصر لوگوں میں پیدا ہوتا رہا حتیٰ کنت من القرن الذی کنت فیہ رواہ البخاری حتیٰ کہ میں موجود ہوا اس قرن اور ہم عصر اور فضیلت مآب لوگوں میں سے جن سے کہ ظہور پذیر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے خیر القرون قرنی الحدیث سب زمانوں اور اہل زمان میں میرا زمانہ اور اہل زمان بہتر ہیں یعنی باعتبار خصائل حمیدہ اور شمائل سعیدہ کے (مرقاۃ)

2 ﴿ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

ان الله اصطفى كنانة من لد اسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم (رواه مسلم وفي رواية الترمذی) ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسماعيل بني كنانة۔

خلاصہ مفہوم

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا اور ان کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور ان کی اولاد میں سے قریش کو اور قریش میں سے

بنو ہاشم کا انتخاب فرمایا اور بنو ہاشم میں سے مجھے مقام اصطفاء و اجتباء اور درجہ علیاء عطا فرمایا۔

﴿3﴾ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حالت غیظ و غضب میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے جبکہ انہوں نے کچھ لوگوں یعنی کافروں سے حضور اکرم ﷺ کے حسب و نسب پر طعن و تشنیع کرتے سنا اور آپ کی بارگاہ میں شکوہ کیا تو آنحضرت ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور حاضرین مجلس شریف سے دریافت فرمایا میں کون ہوں؟ انہوں نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں جبکہ آپ ﷺ کا مقصد اصلی اپنے جوہر پاک کی فوقیت و برتری اور طہارت و پاکیزگی بیان کرنا تھا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ کے خداداد منصب کے لحاظ سے بلندی و برتری اور امتیاز و اعتراف بیان کر دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرہم ثم جعلہم فرقتین فجعلنی فی خیرہم فرقة ثم جعلہم قبائل فجعلنی فی خیرہم قبيلة ثم جعلہم بیوتا فجعلنی فی خیرہم بیتا فانا خیرہم نفسا و خیرہم بیتا
(رواہ الترمذی)

میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب اللہ تعالیٰ نے مخلوق (جنوں اور انسانوں) کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے بہتر مخلوق میں یعنی انسانوں میں پیدا فرمایا۔ پھر ان کو دو فرقوں (عجم و عرب) میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہتر فرقہ یعنی عربوں میں پیدا فرمایا پھر عربوں کو مختلف قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین قبیلہ یعنی قریش میں پیدا فرمایا پھر ان قریش کو بطون اور گھرانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین بطن اور گھرانہ یعنی بنو ہاشم میں سے پیدا فرمایا لہذا میں ان سے بہتر ہوں اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور بطن و گھرانہ یعنی ہاشمی ہونے کے لحاظ سے بھی۔

الغرض سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جب آبائی لحاظ سے آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب میں شریک ہیں تو آپ کے طفیل یہ تمامی امتیازات اور اختصاصات آپ کو بھی حاصل ہو گئے۔

عربی بھی ہیں اور قرشی بھی اور ہاشمی و مطلبی اور جب آپ کا زمانہ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ایک ہے تو خیر قرن والی فضیلت میں بھی آپ شامل ہو گئے اور آباء و اجداد کے خصائل حمیدہ اور شمائل سعیدہ کے لحاظ سے بھی آپ کیساتھ شرکت کی سعادت آپ کو حاصل ہو گئی۔

نیز یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ آباء و اجداد کی فضیلت اور فوقیت و برتری صرف ان خصائل حمیدہ اور شمائل سعیدہ میں محدود و منحصر نہیں ہے جنہیں عرف عام میں وجہ امتیاز اور سبب اعتراف سمجھا جاتا ہے خواہ عقائد کے لحاظ سے کفر و شرک میں ہی کیوں نہ مبتلا ہوں اور دل و دماغ اس نجاست و غلاظت سے آلودہ کیوں نہ ہوں بلکہ سارے حضرات نور ایمان اور ضیاء توحید سے منور و مستنیر تھے اور طیب و طاہر دل و دماغ کے مالک تھے چنانچہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

4 ﴿عن بن عباس رضی اللہ عنہما قال النبی ﷺ لما خلق اللہ آدم اہبطنی فی صلبہ الی الارض وجعلنی فی صلب نوح فی السفینۃ وقذف بی فی النار فی صلب ابراہیم ثم لم یزل ینقلنی فی الاصلاب الکریمۃ الی الارحام الطاہرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی لم یلتقیا علی سفاح قط (شفاء شریف ص ۱۰۰، رواہ ابن الجوزی فی الوفاء و ابونعیم فی الدلائل وقال رواہ ابن عمرو المدنی فی مسندہ۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے (میرے جوہر نوری کو) ان کی صلب اور پشت میں ودیعت فرمایا (پھر جب انہیں جنت سے زمین کی طرف منتقل فرمایا تو) مجھے بھی ان کی صلب میں زمین کی طرف اتارا اور مجھے نوح علیہ السلام کی پشت میں ودیعت فرما کر کشتی پر سوار کیا اور ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں ودیعت فرما کر نار نمرود میں ڈالا بعد ازاں بھی مجھے عزت

و کرامت والی پشتوں اور طیب و طاہر رحموں کی طرف یکے بعد دیگرے منتقل فرماتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے والدین ماجدین سے ظاہر فرمایا اور میرے (کسی بھی دور کے) ماں باپ کبھی بھی ناجائز انداز میں جمع نہیں ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ قرون و اعصار میں خیریت اور فضیلت تو خصال حمیدہ اور فضائل شریفہ پر محمول ہے جو کہ عقلاء کے نزدیک متعارف ہیں اور اہل کرم کی ان کے ساتھ مدح و ثناء اور تعریف و توصیف کرتے ہیں نہ کہ باعتبار دین و ایمان کے کذا قالوا اما آباء کرام آنحضرت ﷺ پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبد اللہ طاہر و مطہر انداز دنس کفر و رجس شرک چنانکہ فرمود بیرون آمدہ ام از اصلا ب طاہرہ بارحام طاہرہ و دلائل دیگر کہ متاخرین علمائے حدیث آنرا تحریر و تقریر نمودہ اند (تا) حاشاء للہ کہ ایس نور پاک را در جائے ظلمانی پلید نہند و در عرصات آخرت بہ تعذیب و تحقیر آباء اورا مخزی و منحذول گردانند۔

(اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۴۹۱)

رہا معاملہ آنحضرت ﷺ کے آباء کرام اور اسلاف عظام کا تو وہ تمام کے تمام حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک طاہر و مطہر تھے کفر کی میل کچیل سے بھی اور کفر و شرک کی نجاست سے بھی جیسے کہ خود نبی مطہر اور رسول طیب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں اور اس کے علاوہ متاخرین علمائے حدیث نے متعدد دلائل کیساتھ اس دعویٰ کو ثابت فرمایا ہے اور احاطہ تحریر میں لائے ہیں (تا) اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ آپ ﷺ کے نور پاک اور جوہر نورانی کو ظلمانی پلید جگہ (اصلا ب آباء اور ارحام امہات کفار) میں رکھا جائے اور روز قیامت اور میدان محشر میں آپ ﷺ کے آباء و اجداد اور امہات و جدات کو عذاب دیکر اور ان کو ذلیل و خوار کر کے آپ ﷺ کو (ان کی وجہ سے) رسوائی

وشر مساری اور ذلت و خواری کیساتھ دوچار کیا جائے۔

لہذا واضح ہو گیا کہ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہونے اور حضرت عبدالمطلب کا لخت جگر ہونے کے لحاظ سے یہ اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ آپ کے آباء و اجداد صرف متعارف خصائل حمیدہ اور شمائل سعیدہ کیساتھ بہرہ ور نہیں تھے بلکہ دولت ایمان کے ساتھ بھی مالا مال تھے اور نور تو حید و ایمان کے ساتھ ان کے قلوب و اذہان منور اور مستنیر تھے والحمد للہ

نبوی حسب و نسب کا بروز قیامت نفع و فیضان:

﴿5﴾ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

کل حسب و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا حسبی و نسبی۔

قیامت کے دن ہر نسب اور حسب منقطع ہو جائے گا اور بے اثر و بے فائدہ ہو جائیگا سوائے میرے حسب و نسب کے یعنی کوئی رشتہ داری اور قبیلہ داری کسی کو دوزخ سے تحفظ اور جنت کے حصول میں کارآمد ثابت نہیں ہوگی اور نہ خاندانی خصوصیات و امتیازات مفید و مفیض ہونگے لیکن میرے رشتہ میں منسلک ہونا اور خاندانی اعزازات میں شریک ہونا ضرور بالضرور مفید و مفیض ہوگا اور بار آور اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

ابولہب کے قطعی کافر ہونے کے باوجود اس کے عذاب میں ہر سوموار کو تخفیف ہو جانا اور جناب ابوطالب صاحب کے علانیہ اقرار تو حید و رسالت نہ کرنے کے باوجود ان کے عذاب میں تخفیف کردی گئی اور سارے دوزخ میں غرق ہونے کی بجائے آتش دوزخ صرف پاؤں کے تلووں تک رہ گئی و غیر ذالک۔

تو پھر جنہوں نے تو حید و رسالت کے اقرار و اعتراف پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ آغاز اسلام میں ہی ابو جہل کی گستاخیوں پر اس کا سر پھوڑ دیا اور گھریار، مال و اسباب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر چھوڑ چھاڑ کر فقیر و مہاجر بن کر مدینہ پاک جاڈرہ لگایا اور کفار کے خلاف جہاد کئے اور بالآخر

اپنی جان کا نذرانہ بھی راہ خدا میں اور اطاعت رسول ﷺ میں پیش کر دیا تو ان کو حضور ﷺ کیساتھ یہ جسی و نسی تعلق کتنا عظیم فائدہ اور نفع پہنچائے گا اور آپ کے درجات و مراتب کس قدر بلند و بالا ہونگے۔

عربی ہونے کی فضیلت:

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو فرقوں جنات اور انسانوں میں تقسیم فرمایا اور انسانوں کو دو فرقوں میں تقسیم فرمایا عرب اور عجم اور مجھے ان میں سے بہترین فرقہ میں پیدا فرمایا تو ثابت ہوا کہ عربی ہونا بہت بڑی فضیلت ہے اور آپ نے عربوں کے فضائل اپنی زبان حق ترجمان سے بیان بھی فرمائے ہیں اور ان سے محبت و الفت کا حکم بھی دیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

1 ﴿عن سلمان قال لی رسول اللہ ﷺ لا تبغضنا فتفارق دینک قلت یا رسول اللہ ﷺ کیف ابغضک وبک ہدانا اللہ قال تبغض العرب فتبغضنی﴾
(رواہ الترمذی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ بغض نہ رکھنا ورنہ تو اپنے دین سے جدا ہو جائیگا اور ایمان سے محروم ہو جائیگا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں جبکہ آپ کے طفیل ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو عربوں سے بغض رکھیگا تو وہ تیری طرف سے میرے ساتھ بغض رکھنے کے مترادف ہوگا (چونکہ فارسی الاصل تھے اور فارس اسوقت عظیم سلطنت تھی اس لئے متنبہ فرمایا)

2 ﴿عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من غش العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنلہ مودتی﴾ رواہ الترمذی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا جس نے عربوں کے ساتھ قلبی بغض رکھا اور ان کو دھوکہ دیا تو وہ شخص میری شفاعت کے مستحقین میں داخل نہیں ہوگا اور اس کو میری محبت نصیب نہیں ہوگی۔

(فائدہ)

اگرچہ اس روایت میں سند کے لحاظ سے قدرے ضعف ہے لیکن دوسری صحیح اور حسن روایات سے نفس مضمون کی صحت اور حسن واضح ہو جاتا ہے۔

3 ﴿عن ام الحريرة مولاة طلحة بن مالك قالت سمعت مولائي يقول قال رسول الله ﷺ من اقتراب الساعة هلاك العرب رواه الترمذی۔﴾

ام حریر طلحہ بن مالک کی آزاد کردہ لونڈی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے مولیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرب قیامت کے علامات میں سے ہے عربوں کا ہلاک ہو جانا اور ان کا نابود ہونا (گویا ان کی بقا دنیا کی بقا کی علامت بلکہ ضمانت ہے)

4 ﴿عن بن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ احبوا العرب لثلاث لاني عربي والقرآن عربي وكلام اهل الجنة عربي﴾

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین وجوہ سے عربوں کیساتھ محبت رکھنا تم پر واجب و لازم ہے کیونکہ میں عربی ہوں اور قرآن مجید عربی میں ہے اور اہل جنت کا کلام بھی عربی ہے۔

جب عربوں کا بغض رسول گرامی ﷺ کا بغض ہے تو لا محالہ ان کی محبت محبوب کریم ﷺ کی محبت ہے۔ جب عربوں سے بغض و حسد اور فریب کاری اور دھوکہ بازی محبوب کریم ﷺ کی شفاعت سے محرومی اور آپ ﷺ کی محبت و مودت سے محرومی کا موجب ہے تو لا محالہ ان سے

محبت و مودت اور ان کیساتھ اخلاص اور ہمدردی محبوب کریم ﷺ کی شفاعت اور آپ ﷺ کی محبت و مودت کے حصول کا ذریعہ ہوگی جب عام عربوں کیساتھ محبت و الفت اور اخلاص و ہمدردی کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت عربی کی محبت و عقیدت اور آپ کیساتھ اخلاص اور ہمدردی پر کس قدر نبی مکرم ﷺ کی محبت و مودت اور شفاعت کی سعادت نصیب ہوگی اور اگر عام عربوں کی محبت لازم ہے نبی مکرم ﷺ کے عربی ہونے اور کلام اللہ کے عربی ہونے اور کلام اہل جنت کے عربی ہونے کی وجہ سے تو محبوب کریم ﷺ کے چچے، رضاعی اور خالہ زاد بھائی جیسے عربی کی محبت و مودت اور ان کیساتھ اخلاص اور عقیدت مندی عظیم ترین واجبات اسلام اور لوازم دین میں سے ہوگی۔

قریشی ہونے کی فضیلت:

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ کی نسل میں سے قریش کو۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو مختلف قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلہ یعنی قریش میں پیدا فرمایا تو معلوم ہوا کہ قریشی ہونا آپ کیلئے وجہ افتخار ہے اور سبب اعتزاز ہے تو حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کیلئے بھی قریشی ہونا باعث فخر اور قابل اعتزاز ہے اور جو مرتبہ و مقام سرور عالم ﷺ کے ہاں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قریش کو حاصل ہے آپ کیلئے بھی اس میں حظ وافر اور کافی حصہ ثابت ہے اور ثابت ہوگا۔

باری تعالیٰ نے سورۃ قریش کو ان کے نام پر نازل فرما کر ان کو اعزاز بخشا۔ ان کے مسکن مکہ مکرمہ کے بے آب و گیاہ وادی ہونے کے باوجود ان کی باعزت گزران کا سامان اس طرح کیا کہ وہ سردیوں میں یمن کی طرف تجارت کے قافلے بھیج دیتے کیونکہ وہ گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف کیونکہ وہ سرد علاقہ تھا اور راہ پر بسنے والے لوگ ان کو حرم پاک کے باسی سمجھتے ہوئے ان پر لوٹ مار نہیں کرتے تھے بلکہ عزت و احترام سے پیش آتے تھے اور حج کے

موقعہ پر بھی ان کو تجارت کی صورت میں اور تحائف و ہدایا اور نذرانوں کی صورت میں بہت کچھ ہاتھ آ جاتا تھا اور با عزت طریقے پر ان کی رہائش کا بھی اور خورد و نوش کا بھی بندوبست ہو جاتا اور حرم شریف کے احترام کی وجہ سے بھی ان پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا اور لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے۔ ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لیکر حملہ کی حماقت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ابابیل کی کنکریوں سے تباہ و برباد کرا کر قریش کی عظمت کو رفعت ثریا عطا کر دی اور ان کی طرف میلی آنکھ سے کسی کے دیکھنے کی بلکہ اس طرح کی سوچ سے بھی اجتناب و احتراز کی بنیاد راسخ مہیا فرمادی۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریشی تھے اور ابو جہل وغیرہ بھی قریشی تھے اور اسلام و کفر کی باہم جنگیں ہو رہی تھیں تو دوسرے عرب انتظار میں تھے کہ جو ان میں سے غالب آ جائیگا ہم بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی عقائد و نظریات اور سیرت و کردار میں موافقت کریں گے چنانچہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور قریش کا مرکز اب مرکز اسلام بن گیا تو دھڑا دھڑا لوگ حلقہ اسلام میں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہونے لگ گئے جس کا اثر وہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله افواجا فسبح بحمد ربك۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کو حاصل ہو اور فتح مکہ اور لوگوں کو فوج در فوج اور گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہوتے اور ایمان لاتے دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اس کی تسبیح و تنزیہ اور حمد بجالانا۔

قریش کی اس حیثیت اور لوگوں کی نظروں میں وقعت و عزت کو دیکھتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 ﴿عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال الناس تبع لقریش فی هذا الشان مسلمہم تبع لمسلمہم و کافرہم تبع لکافرہم۔ (متفق علیہ)

﴿2﴾ عن جابر رضى الله عنه ان النبى ﷺ قال الناس تبع لقريش فى الخير والشر
(رواه مسلم)

خلاصہ مفہوم دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ عام لوگ قریش کے تابع ہیں اہل اسلام ان میں اہل اسلام کے تابع ہیں اور خیر و رشد میں ان کے مقتدی ہیں جبکہ اہل کفر و اہل شر ان میں سے کفار اور ارباب شرور کے تابع ہیں۔

﴿3﴾ عن سعد عن النبى ﷺ قال من يرد هوان قريش اهان الله

(رواه الترمذی، مظہری ج ۷ ص ۲۸۷)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی قریش کی بے حرمتی اور تذلیل و تحقیر کا قصد و ارادہ کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کریگا۔

﴿4﴾ عن بن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ فضل الله

قريشا بسبع خصال لم يعطها احدا قبلهم ولا يعطيها احدا بعدهم فضل الله قريشا بانى منهم وان النبوة فيهم وان الحجابة فيهم وان السقاية فيهم ونصرهم على الفيل وعبدوا الله عشر سنين لم يعبدوا غيرهم وانزل الله فيهم سورة من القرآن لم يذكر فيها احدا غيرهم لا يلاف قريش

(رواه الحاکم، الطبرانی، والبخاری فی التاريخ)

﴿5﴾ عن زبير بن العوام مثله غير ان لم يذكر انى منهم بل ذكر ان فيهم

النبوة والخلافة والحجابة والسقاية والثلاثة النصر على الفيل وعبدوا الله عشر سنين ونزلت فيهم لا يلاف قريش

(رواه الطبرانی فی الاوسط، مظہری ج ۷ ص ۲۸۷، ۲۸۸)

چوتھی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول محتشم ﷺ نے فرمایا کہ قریش کو اللہ تعالیٰ نے

سات وجوہ سے دوسروں پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے نہ وہ فضائل ان سے پہلے کسی کو عطا کئے ہیں اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا فرمائے گا۔ قریش کو دوسروں پر فوقیت اور برتری بخشی کہ میں ان میں سے ہوں اور نبوت ان میں ہے، کعبہ معظمہ کی نگہداشت اور تولیت ان کے پاس ہے، زمزم کے مبارک چشمہ سے آب رسانی کا اعزاز ان کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہاتھی (والے لشکر) پر فتح و نصرت عطا فرمائی اور انہوں نے دس سال تک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جبکہ دوسری کوئی قوم اور قبیلہ ان کیساتھ اس عبادت میں شریک نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں سورت نازل فرمائی لایلاف قریش جسمیں ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ذکر نہیں فرمایا۔ پانچویں روایت کا پہلی سے صرف یہ فرق ہے کہ اس میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور نہیں ہے کہ میں ان میں سے ہوں بلکہ یہ ذکر فرمایا ان میں نبوت و خلافت ہے اور کعبہ معظمہ کی حفاظت و نگرانی اور زمزم کی ساقی گری اور دیگر یہ تین امور مذکور ہیں۔ اصحاب فیل پر نصرت و غلبہ اور دس سال تک عبادت خداوندی میں بلا شرکت غیرے مشغولیت اور سورہ کریمہ لایلاف قریش کا ان کے حق میں نزول۔

الحاصل

قریشی ہونا بہت بڑا اعزاز ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے مفاخر اور امتیازات میں ذکر فرمایا اور دیگر قبائل عرب اور اقوام عالم کو ان کا تابع اور مقتدی قرار دیا اور ان کی بے ادبی و گستاخی اور توہین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت و خواری اور تذلیل کا موجب قرار دیا وغیرہ وغیرہ تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ان میں اہم ترین مرتبہ و مقام کے مالک ہیں لہذا یہ فضائل و شمائل ان کو بھی حاصل ہیں اور ان کی ہتک حرمت کے مرتکب وحشی کو اسلام لانے کے باوجود اور بدترین کافر اور کذاب مدعی نبوت مسیلمہ کے قتل کے باوجود دنیا میں کس قدر ذلت و رسوائی اور تذلیل و تحقیر سے دوچار ہونا پڑا وہ اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرماویں گے اور وہ اسلام لانے میں اور

اس عظیم خیر و بھلائی اور رشد و ہدایت کے اپنانے میں بہت سے قریش کیلئے مقتدا و پیشوا بنے اور جہاد و قتال کے ذریعے بھی اسلام کی ترقی اور دین حق کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا لہذا وہ رہبری و رہنمائی اور قیادت و امامت کی وجہ سے عظیم ترین مرتبہ و مقام کے مالک ہیں اور اعلیٰ ترین درجات و مراتب پر فائز ہیں والحمد للہ تعالیٰ۔

فائدہ عظیمہ:

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو لوگوں کیلئے متبوع اور مقتدا ٹھہرایا ہے جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی استعداد و صلاحیت دوسروں کی نسبت ارفع و اعلیٰ ہے اسی لئے جو صحابی قریش قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے درجات و مراتب میں ارفع و اعلیٰ تھے اور اکثر اولیاء کرام قریش قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے اولیاء کرام سے رفعت و درجت اور بلندی مرتبت میں بلند و بالا مقام کے مالک ہیں جیسے کہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں؛

قلت اصل المراد من الحديث: اصطفی من بنی کنانة قريشا قوة استعداد قريش ومن ثم تری افضل الصحابة واكثر الاولياء منهم۔
(ج ۱۰ ص ۳۴۶)

میں کہتا ہوں کہ اصل مراد اس حدیث پاک اصطفیٰ من بنی کنانة قريشا سے قریش کی قوت استعداد کا بیان کرنا ہے اس لئے دیکھتے ہو کہ افضل ترین صحابہ ہیں تو قریش سے ہیں اور اکثر اولیاء ہیں تو بھی ان میں سے ہیں۔

تنبیہ:

قریش لقب ہے نضر بن کنانہ کی اولاد کا اور اس لقب سے ملقب اور موسوم کرنے کی وجہ

یا تو مال و متاع کا کمانا اور ذخیرہ کرنا ہے اور وہ بھی تجارت پیشہ تھے اور مال و منال کے کمانے اور ذخیرہ کرنے پر حریص تھے اور بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بے مثل شجاعت و بسالت اور دلیری و بہادری کی وجہ سے ان کو یہ لقب دیا گیا کیونکہ از روئے لغت عربی قریش وہ مچھلی ہے جو دریاؤں سمندروں کی ہر جاندار شے پر قاہر و غالب ہوتی ہے اور ان کو اپنا لقمہ بنا سکتی ہے جبکہ اس پر کسی کا غلبہ پانا تو دور کی بات ہے اس کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے اس کے قریب بھی کوئی جانور نہیں پھٹک سکتا تو اسی بہادری و شجاعت اور جرات و بے باکی کی وجہ سے اور دوسروں پر حرب و قتال میں غلبہ کی وجہ سے ان کو قریش کہا گیا۔

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ میں بھی اسلاف کی یہ امتیازی صفت اعلیٰ و اکمل طریقہ پر موجود و متحقق تھی اور سامنے آ کر لڑنے کی اول تو جرات ہی کسی کو نہیں ہوتی تھی اور کوئی جسارت کرتا تو ہلاکت اس کا مقدر ہوتی تھی اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھامے ہوئے مخالفین کیساتھ حرب و ضرب سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے انا اسد اللہ و اسد رسولہ میں اللہ کا شیر ہوں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر ہوں۔

ہاشمی و مطلبی ہونے کی فضیلت:

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصطفیٰ من قریش بنی ہاشم جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مفاخر و آثار میں ہاشمی ہونے کو بھی شمار کیا اور اس کو وجہ فضیلت اور سبب فوقیت قرار دیا تو اگر یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وجہ افتخار اور سبب رفعت ہو سکتا ہے تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ہاشمی ہیں لہذا غیر ہاشمیوں پر ان کو بھی بلندی و برتری حاصل ہو گئی خواہ قریشی ہی کیوں نہ ہوں اور غیر قریشی پر بطریق اولیٰ آپ کو علو مرتبت اور فوقیت درجہ حاصل ہو گئی۔

نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب یہ عرض کیا کہ کافر کہہ رہے تھے کہ رسالت اللہ تعالیٰ نے دی ہوتی تو کسی عظیم شخص کو دیتا جو نسب و حسب میں اور عز و وقار میں بلند مرتبت ہوتا۔ لولا نزل

هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم تو آپ ﷺ نے منبر پر قیام فرما ہو کر اپنا حبسی و نسی امتیاز و اعتراز بیان کرتے ہوئے فرمایا: انا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب میں حضرت عبد اللہ کا بیٹا ہوں جو کہ عبد المطلب جیسے سردار اور اعلیٰ اخلاق اور اکمل صفات کے مالک کے فرزند ارجمند تھے اگر حضرت عبد المطلب کا پوتا ہونا حضور نبی مکرم ﷺ کیلئے سبب عزت اور باعث رفعت مقام ہے تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے بلا واسطہ لخت جگر اور نور نظر ہیں تو مطلبی ہونا آپ کیلئے کیونکر موجب عزت اور لائق فخر نہیں ہوگا بلکہ یقیناً موجب عزت اور قابل افتخار ہوگا۔

جب میدان کارزار میں کفار کی طرف سے سید عالم ﷺ پر حملہ میں شدت پیدا ہو جاتی اور دشمن کا دباؤ بڑھ جاتا تو آپ ﷺ بڑی جرات و بہادری اور شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلہ کیلئے آگے بڑھتے اور زبان اقدس پر نعرہ یہ ہوتا تھا انا النبی لا کذب انا بن عبد المطلب میں اللہ تعالیٰ کا برحق نبی ہوں اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ دار نہیں اور میں عبد المطلب جیسے شجاع و بہادر اور غیور و جسور کا بیٹا ہوں۔

اگر پوتے میں وہ غیور و جسور خون اثر انداز ہے اور پسپائی کی بجائے اقدام اور بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے کا موجب بنتا رہتا تھا تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ جو بلا واسطہ ان کا جزو بدن اور لخت جگر اور سرور قلب تھے اور جانِ جان تھے تو ان میں حضرت عبد المطلب کی مظہریت تامہ کاملہ کا ثبوت و تحقق کیونکر محال شک و شبہ اور جائے تردد ہو سکتا ہے اور آپ خود اس پر فخر و ناز بھی کرتے تھے چنانچہ سباع بن عبد العزیٰ کے قتل کرنے کے بعد مراجعت فرما ہوئے تو فرمایا انا ابن ساقی الحبیج میں حجاج کرام کے ساتھی یعنی حضرت عبد المطلب کا لخت جگر اور نور نظر ہوں۔

صحابیت والی فضیلت:

محبوب کریم ﷺ کا صحابی ہونا بہت بڑا اعزاز و امتیاز ہے اور اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز

ہونے کا موجب ہے اور جزاء و ثواب کے لحاظ سے تمام امتیوں پر ان کا پلڑا بھاری ہے بلکہ دیگر امتیوں کے صدقات و خیرات کو ان کے صدقات کیساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے خواہ وہ ایک لمحہ کیلئے ایمان و اخلاص کی آنکھ سے آپ ﷺ کی زیارت یا صحبت کا شرف حاصل کر سکے ہوں اور اس ایمان و اخلاص پر ان کو وفات آئے چہ جائیکہ انتہائی قریبی قرابتدار بھی ہوں اور عرصہ دراز تک شرف صحبت بھی حاصل کریں اور آپ ﷺ کی خاطر گھر بار اور مال و متاع بھی قربان کر دیں اور خونی رشتوں کو بھی نظر انداز کریں اور مکہ مکرمہ جیسا وطن بھی ترک کر دیں اور درویش و فقیر مہاجر بن کر مدینہ منورہ جا کر انصار کے مہمان بنیں اور پھر حرب و قتال اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف حصہ ہی نہ لیں بلکہ جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں اور بدن اقدس کا مسئلہ بھی کرائیں اور کان و ناک اور دیگر اعضاء بھی کٹوا دیں تو ان کی رفعت مقام اور علو درجہ کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آئیے اب اس اجمال کی ذرا تفصیل ملاحظہ کریں لیکن مشتے نمونہ از خروارے۔

1 ﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل جبل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ متفق علیہ۔﴾

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کرام کو سب و شتم مت کرو بالفرض و التقدر یرتم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا وند تعالیٰ میں خرچ کرے تو (اس کا کروڑوں ٹن سونا) میرے صحابی کے ایک مد (تقریباً ایک سیر) اور نہ ہی نصف مد (آدھ سیر) جو اور کھجور کے صدقہ کرنے کے برابر ہو سکے گا۔

یعنی صدقہ کے ثواب کا دار و مدار خلوص قلب پر ہوتا ہے اور جب نبی مکرم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کا خلوص قلب ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑھ کر ہو تو پھر تمہارے صدقات و خیرات اور ان پر مترتب اجر و ثواب کی ان کیساتھ کیا برابری ہو سکتی ہے تو اندریں صورت تم جیسے کتر و کہتر

لوگوں کو ان سماوی رفعتوں کے مالک حضرات پر تنقیدیں اور طعن تشنیع کیونکر زیبا ہو سکتی ہیں۔

﴿2﴾ عن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکرموا اصحابی فانہم خیارکم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کرام کی تکریم و تعظیم کیا کرو کیونکہ وہ تم سے بہت افضل و اعلیٰ مقام کے مالک ہیں پھر جو ان سے متصل ہونگے یعنی تابعین پھر جو ان سے متصل ہونگے یعنی تابع تابعین وہ اپنے اپنے دور میں پچھلے اہل اسلام سے افضل و اعلیٰ ہوں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وہ حضرات کیونکر اس بلند و بالا مقام کے مالک نہ ہوں جبکہ وہ بارگاہ نبوت کے مصاحب و ملازم ہوں اور حاضر خدمت رہنے والے ہوں اور علم و عمل میں آپ کے تربیت یافتہ ہوں اور آپ کے انوار و تجلیات کے مظاہر ہوں اور اگر زیادہ عرصہ صحبت میں نہ بھی رہیں تو بھی آپ کے جمال باکمال کا اور طلعت زیبا کا نظارہ کرنے والے ہیں۔ شیخ ابوطالب مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یک نظر کہ بر جمال مصطفیٰ ﷺ افتد چیزے نماید و کارے کشاید کہ دیگران را بار بعینات و خلوات نہ نماید ونہ کشاید و ایمان عیانی و یقین شہودی کہ ایشان را حاصل است کسے را در آنجا شرکت نیست (ج ۴ ص ۶۴۴)

ایک نظر جو جمال مصطفیٰ ﷺ پر پڑے وہ نظر وہ کچھ دکھلاتی ہے اور ایسے انکشافات کراتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو سینکڑوں چلوں اور خلوتوں میں نہ نظر آ سکتے ہیں اور نہ منکشف ہو سکتے ہیں۔ معائنہ و نظارہ والا ایمان اور مشاہدہ والا یقین جو ان حضرات کو حاصل ہے کسی کو اس میں مشارکت ممکن نہیں ہے۔

﴿3﴾ عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لا تمس النار مسلما راءنی

(رواہ الترمذی)

اوراء ی من راء نی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا آتش دوزخ اس شخص کو چھو بھی نہیں سکے گی جس نے ایمان و اخلاص کیساتھ میری زیارت کی یا میرے صحابی کی زیارت کی (بشرطیکہ ان کی موت بھی ایمان پر واقع ہو)۔

4 عن عبد الله بن مفضل رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الله الله في اصحابي الله الله في اصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدى فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضى ابغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك ان ياخذہ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکرر یہ فرمایا میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا انہیں میرے بعد طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنالینا جو ان سے محبت رکھیں گا تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھے گا (کہ یاران محبوب مصطفیٰ ہیں) اور جو ان سے بغض رکھیں گا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا (کیونکہ کسی کے یاروں سے بغض دراصل اس ہستی سے بغض ہوتا ہے جس کے وہ یار ہیں) اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف و اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت اور تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت اور تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ عن قریب اس کو اپنے مواخذہ اور عذاب و عتاب سے دوچار کریگا۔

محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ کسی ہستی سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس محبوب سے اس کے دوستوں اور متعلقین تک سرایت کرے لہذا اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت و نشانی رسول گرامی ﷺ کی محبت اور آپ کی محبت کی علامت اور نشانی ہے آپ کے اصحاب کرام اور اہل بیت کرام علیہم الرضوان کیساتھ محبت و مودت و ہکذا

فائدہ عظیمہ:

امام سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: من خصائصه ان الصحبة تثبت لمن اجتمع به صلی اللہ علیہ وسلم لحظة بخلاف التابعی مع الصحابی فله یثبت لهم اسم التابعی الا بطول الاجتماع مع الصحابة علی الاصح عند اهل الاصول والفرق عظم مرتبة النبوة ونورها بمجرد ما يقع بصره علی الاعرابی الجلف ینطق بالحكمة (خصائص ج ۲ ص ۲۶۷)

صحابیت کا اعزاز ہر اس شخص کو حاصل ہو جاتا ہے جو لمحہ بھر کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا بخلاف تابعی کے اس کو یہ اعزاز حاصل کرنے کیلئے زیادہ عرصہ تک صحابی کی صحبت کا شرف حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے اور وجہ فرق منصب نبوت کی عظمت اور نورانیت نبوت ہے کہ محض آپ کی نگاہ اقدس احمق اعرابی پر پڑنے کی دیر ہوتی ہے کہ اس کی زبان سے حکمت کے جواہر برآمد ہونے لگتے ہیں۔

بزبان قرآن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت از روئے مہاجر و مجاہد

1 ﴿ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں جو حضرات فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت حاصل کیا اور راہ خداوند تعالیٰ میں اپنے مال صرف کئے فتح مکہ کے بعد اسلام لائیوالے اور شرف صحبت حاصل کر نیوالے اور راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کر نیوالے ان کی درجات و مراتب میں برابری نہیں کر سکتے ہیں

كما قال الله تبارك وتعالى في القرآن المجيد:

لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من

الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلا وعد الله الحسنى۔

تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے قبل راہ خداوند تعالیٰ میں مال خرچ کیا اور جہاد و قتال کیا وہ حضرات بہت ہی عظیم ترین درجات والے ہیں بہ نسبت ان کے جنہوں نے بعد میں مال فی سبیل اللہ خرچ کیا اور جہاد کیا۔ ہر دو فریق کیساتھ (درجات میں عظیم تفاوت کے باوجود) اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے

حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی فتح مکہ سے قبل قتال و جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ والے اوصاف سے موصوف ہیں بلکہ اپنی جان بھی راہ خداوند تعالیٰ میں صرف کر نیوالوں میں سے ہیں لہذا فتح مکہ کے بعد ان فضائل و فواضل سے موصوف حضرات سے آپ کا درجہ و مرتبہ بہت بلند تر ہے اور جنت میں عظیم درجہ و مرتبہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ بھی ثابت ہے۔

﴿2﴾ نیز جو حضرات ایمان تو پہلے لائے لیکن جہاد فی سبیل اللہ نہیں کیا خواہ مال خرچ کئے بھی ہوں ان کا درجہ و مرتبہ جہاد و قتال اور انفاق فی سبیل اللہ والوں کے برابر نہیں ہو سکتا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

بلا عذر اور بغیر مجبوری کے جہاد و قتال سے بیٹھے رہنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کیساتھ جہاد کر نیوالوں میں کوئی برابری نہیں ہو سکتی۔ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ راہ خداوند تعالیٰ میں جہاد کرنے والوں کو اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے شرف و فضل سے نوازا ہے اور ہر دو فریق کیساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے اور مجاہدین کو قاعدین پر عظیم ترین اجر و ثواب کے ساتھ بلندی و برتری عطا فرمائی ہے۔

﴿3﴾ مہاجرین حضرات کے مال و متاع اور گھربار چھوڑنے بلکہ ان سے چھڑائے جانے کی وجہ سے اور ان کے فضل خداوندی اور رضائے مولیٰ کی طلب کی خاطر اور دین خداوندی کی نصرت اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی بدولت ان کو وہ امتیاز و اختصاص حاصل ہے کہ نہ انصار کو وہ شرف و فضل حاصل ہے نہ بعد والے حضرات کو اسی لئے ہر جگہ کلام مجید میں انکا ذکر پہلے کیا گیا اور بعد میں انصار اور تابعین بالا حسان کا اور یہ امر محتاج تامل اور نظر و فکر کا محتاج نہیں ہے کہ ذکر میں تقدم مرتبہ و مقام میں تقدم کی امارت و علامت بلکہ دلیل ہوا کرتا ہے۔ منجملہ ان آیات کریمہ کے یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

﴿4﴾ قال الله تعالى: للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون۔ الحشر

(اموال نے) فقراء مہاجرین کیلئے ہیں جنہیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا اور اموال سے الگ کر دیا گیا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت و امداد اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اعانت کرنیوالے ہیں وہی سراسر راستی اور صدق کے پیکر ہیں۔

اس کے بعد انصار کا استحقاق ان اموال میں بیان فرمایا پھر ان کے بعد والے حضرات کا لیکن تقدیم اور اولیت مہاجرین کو دی اور اس سے ان کا شرف و فضل پچھلے دونوں فریق پر واضح فرمادیا نیز انصار علیہم الرضوان کی خوبیوں اور فضیلتوں میں یحبون من ہاجر الیہم ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة کو بھی ذکر فرمایا کہ وہ ہجرت کر کے آنیوالوں کو اپنے محبوب سمجھتے ہیں اور انہیں ضروریات زندگی کے مہیا کر دینے میں اپنی ذاتوں پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود مفلسی اور محتاجی کا شکار ہی کیوں نہ ہوں اور ان کے اوصاف کمالیہ ذکر کرنے کے بعد

اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ فرمایا کہ وہی انصار فلاح پانے والے ہیں تو گویا ان کی فلاح و کامیابی میں مہاجرین حضرات کو ان پر فوقیت و فضیلت احسن طریق پر ثابت ہو جاتی ہے اور حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ان مہاجرین میں اہم مرتبہ و مقام کے مالک ہیں تو ان کی افضلیت و رفعت بھی واضح ہو گئی۔

5 ﴿ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ - (سورہ توبہ) ﴾

مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے ایمان و اسلام میں سبقت حاصل کرنیوالوں اور ان کی احسن طریقہ پر اتباع کرنیوالوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا (ان کے حسن اعتقاد اور حسن عمل کی وجہ سے) اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے (اس کے فضل عظیم، کرم عمیم اور جزائے جزیل اور اجر جمیل کی وجہ سے) اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جنات تیار فرمائی ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت بڑی کامیابی و کامرانی ہے۔ مہاجرین و انصار کی اتباع بالاحسان کو جب پچھلے حضرات سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا اور جنات میں ہمیشہ رہنے کا اور عظیم کامیابی کا سبب قرار دیا تو اس سے ان حضرات کی عظمت شان اور عند اللہ حاصل مرتبہ و مقام واضح ہو گیا اور مہاجرین کا ذکر میں تقدم انصار پر ان کے انصار سے بھی افضل ہونے اور تابعین بالاحسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اور فوز عظیم سے بہرہ ور ہونے کا سبب اولین ہونا بھی ظاہر اور واضح ہو گیا اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں اہم ترین درجہ اور اعلیٰ ترین مرتبہ کے مالک ہیں تو ان کی عظمت خداداد بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

اسی طرح احادیث مبارکہ سے بھی ہجرت کی فضیلت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔

﴿1﴾ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لولا الهجرة لکنت امراء من الانصار۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ہجرت نہ ہوتی تو لازمی طور میں انصاری ہوتا یعنی اگر ہجرت والی نسبت کا شرف و فضل پیش نظر نہ ہوتا تو میں اپنے آپ کو انصار اور ان کے دیار کی طرف منسوب کرتا اور مہاجر کہلانے کی بجائے انصاری کہلانا پسند کرتا اور اس لقب کو اختیار کرتا اور اسے ترجیح دیتا۔

شیخ محقق نے فرمایا: اشارت است بافضلیت ہجرت و جلالت رتبہ مہاجرین زیرا کہ ایشان گذاشتند او طان را و ترک دادند اہل و اولاد را بمحبت خدا و رسول وے ﷺ و نصرت و ایثار فضیلت کاملہ است ولیکن ساکن اند در او طان خود و قبیلہ و قرابت خود پس بعد از ہجرت فضیلت نصرت راست و بعد از مہاجرین انصار راست۔

(اشعۃ جلد ۲ ص ۷۲۲)

اس حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہجرت بہت افضل عمل ہے اور حضرات مہاجرین کا مرتبہ و مقام بہت بزرگ و جلیل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے وطن ترک کئے اور خویش و اقرباء اور آل اولاد کو ترک کیا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں۔ انصار کی طرف سے امداد و نصرت اور ایثار کئی بیشک فضیلت کاملہ ہے لیکن وہ اپنے ہم وطنوں میں قیام پذیر ہیں اور اپنے قبیلوں اور قرابتداروں میں موجود ہیں لہذا ہجرت کو شرف و فضل میں اولین درجہ حاصل ہے اور ہجرت کے بعد دوسرا اہم مرتبہ انصاری ہونے کا ہے اور مہاجرین کے بعد فضیلت انصار کیلئے مسلمہ حقیقت ہے۔

﴿2﴾ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی

اللہ عنہما نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوئے جبکہ میں در بانی کے فرائض سرانجام دینے کیلئے بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ ہمارے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر حاضری کی اجازت طلب کرو تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے معلوم ہے وہ کیوں آئے ہیں میں نے عرض کیا نہیں مجھے تو معلوم نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ لیکن ادوری لیکن میں تو جانتا ہوں انہیں کہہ دو اجازت ہے داخل ہو جائیں تو دونوں نے عرض کیا ہم دونوں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے دریافت کریں آپ کو اپنے اہل بیت سے کونسا فرد محبوب تر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میری لخت جگر فاطمہ محبوب تر ہے۔ عرض کیا ہم اہل بیت میں سے عورتوں کے متعلق نہیں پوچھنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ میرے اہل بیت میں سے محبوب تر فرد میرے نزدیک وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور میں نے اس پر انعام فرمایا یعنی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اگرچہ اصل منعم علیہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زید بن حارثہ تھے لیکن باپ پر انعام بیٹے کے حق میں بھی انعام تھا اور باپ شہید ہو چکے تھے ان کا یہ لخت جگر موجود تھا اس لئے ان کو یہ شرف و فضل رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

ان دونوں حضرات نے عرض کیا اسامہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں محبوب تر کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) اہل بیت میں سے محبوب تر ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛ جعلت عمک آخر ہم آپ نے اپنے چچے کو اہل بیت میں آخری فرد بنا دیا اور محبت میں پست مقام عطا کیا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ان علیا سبقک بالہجرۃ رواہ الترمذی بیشک علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے ہیں (لہذا وہ محبوب تر ہیں)

لہذا اس حدیث شریف سے واضح ہو گیا کہ ہجرت عظیم و جلیل عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے

ہاں اور رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں محبوبیت کے درجہ پر فائز ہونے کا عظیم سبب ہے۔
فائدہ عظیمہ:

اس حدیث شریف سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے جو آپ پر ایمان لائے وہ بھی آپ کے اہل بیت ہیں۔ ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سوال ہی کیوں کرتے کہ اہل بیت کے مردوں میں سے آپ کو زیادہ محبوب میں ہوں یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ نیز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ فرمادیا تم میرے اہل بیت ہی نہیں ہو اور علی اہل بیت سے ہیں تو تمہارا ان کیساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ دعویٰ تو تسلیم فرمالیا کہ تم اہل بیت کے فرد ہو لیکن ان کو تم پر ہجرت کے لحاظ سے سبقت حاصل ہے لہذا وہ تمہاری نسبت میرے ہاں محبوب تر ہیں نیز ہجرت کو اس فضیلت کا سبب بنانا اور ایمان و اسلام کو اس کا سبب نہ بنانا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی قدیم الاسلام تھے اگرچہ اظہار و اعلان بعد میں فرمایا۔ آدمیم بر سر مطلب

حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قدیم الاسلام ہونا بھی مسلم اور سابقین مہاجرین میں سے ہونا بھی مسلم اور رضاعی بھائی، خالہ زاد بھائی اور چچا ہونے کے لحاظ سے اہل بیت کا عظیم فرد ہونا بھی مسلم حقیقت ہے تو آپ کے بارگاہ نبوت میں محبوب ترین ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے اور جو عند الرسول محبوب ہوگا اس کے عند اللہ محبوب ترین ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے جبکہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا تتبع عند اللہ محبوب بن جاتا ہے خواہ حسب و نسب کے اعتبار سے اس کا آپ سے کوئی تعلق نہ ہو کما قال تعالیٰ: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ تو اس قدر قریبی بھی ہوں اور تتبع کامل بھی ہوں مہاجرین سابقین میں سے بھی ہوں اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوں تو پھر ان کے عند اللہ محبوب ترین ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟

اہل بیت کا اہم فرد ہونے کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو بڑی فضیلت اور امتیازی شان عطا فرمائی اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کی عظمت و رفعت روز روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہے۔

1 ﴿ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جبکہ وہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے تھے،

سمعت النبی ﷺ يقول الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا من تخلف عنها هلك رواه احمد۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا غور سے سنو بیشک میرے اہل بیت کی حالت و کیفیت اور شان و صفت تمہارے اندر اس طرح ہے جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی کی شان اور کیفیت تھی جو اس پر سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ (طوفان میں گھر کر) ہلاک ہو گیا۔

گویا جو شخص میرے اہل بیت کی اتباع و اقتداء اور محبت و مودت والی کشتی پر سوار ہو گیا وہ کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کے طوفان بلا سے محفوظ ہو جائیگا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ حوادث کا شکار ہو جائیگا۔

2 ﴿ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام خم پر پانی کے تالاب کے قریب خطاب فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجالائے اور پسند و نصائح فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عذاب کا تذکرہ فرمایا؛

ثم قال اما بعد الا ايها الناس انما انا بشر يوشك ان ياتيني رسول ربي فاجيب وانا تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا

بکتاب اللہ واستمسکوا به فحث علی کتاب اللہ و رغب فیہ ثم قال و اهل بیتی اذ کر کم اللہ فی اهل بیتی اذ کر کم اللہ فی اهل بیتی -

حمد و ثنا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو غور سے سنو! میں بشر (اور مخلوق ہوں اور موت سے بالا تر نہیں) ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پاس رب تعالیٰ کا موت والا فرشتہ پہنچ جائے پس میں اسکی دعوت قبول کر لوں اور میں تمہارے اندر دو قابل قدر اور اہمیت کی حامل قیمتی چیزیں چھوڑنے والا ہوں (کتاب اللہ اور اہل بیت) پہلی اہم اور قابل قدر چیز کتاب اللہ ہے اس میں رہنمائی کا سامان بھی ہے اور مطلوب تک وصول کا بھی اور نور ایمان و عرفان بھی ہے لہذا اس کیساتھ اچھی طرح وابستہ ہو جاؤ اور اس کے دامن کو مضبوطی سے تھامو۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی اتباع و اقتداء پر لوگوں کو براہیگختہ کیا اور اس میں ترغیب دی پھر فرمایا (دوسری اہم اور قابل قدر اور لائق اتباع و تقلید چیز میرے) اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں یعنی ان کی اتباع و اقتداء کے ترک میں اسکے عذاب و عتاب سے ڈراتا ہوں۔ دو مرتبہ اس ارشاد گرامی کو دوہرایا۔

3 ﴿ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی تارك فيكم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهل بیتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیہما رواہ الترمذی۔

بیشک میں تمہارے اندر وہ کچھ چھوڑنے والا ہوں کہ اگر اس سے وابستہ رہو گے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے ان دو چیزوں میں سے ایک چیز دوسری کی نسبت عظیم تر ہے۔ وہ ہے کتاب اللہ جو کہ ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لمبی کی ہوئی ہے (تا کہ اس کو تھام کر رفعت سماوی تک پہنچو اور اللہ تعالیٰ کے وصل کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ) دوسری چیز میری عترت

میرے اہل بیت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے (تا قیام قیامت) حتیٰ کہ دونوں مل کر میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے (اپنے متبعین اور مقتدیوں کیلئے میرے پاس سفارش کریں گے اور تارکین و غافلین اور باغیوں اور مخالفوں کی شکایت کریں گے) لہذا اچھی طرح سوچ سمجھ لینا کہ تم نے ان کے بارے میں میزے ناکبین اور خلفاء کس طرح بنائے۔

الغرض اہل بیت سب ہدایت اور ذریعہ وصل باری تعالیٰ ہیں اور واجب الاقتداء اور لازم الاتباع ہیں نیز ان کی تعظیم و تکریم بھی لازم اور ضروری ہے جیسے کہ کلام مجید موجب ہدایت، واجب الاتباع اور لازم التوقیر ہے۔

4 ﴿عبدال مطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے جبکہ غیظ و غضب کی حالت میں تھے جبکہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تمہیں کس نے غضبناک کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا اور قریش کا باہمی معاملہ کیا ہے جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی اور فرحت و شادمانی کی حالت میں ملاقات کرتے ہیں اور جب ہم سے ملاقات کرتے ہیں تو اس طرح کی کیفیت ان میں نظر نہیں آتی بلکہ اجنبیت اور بیگانگی سی ان کی صورتوں اور چہروں سے ٹپکتی ہے

فغضب رسول اللہ ﷺ حتیٰ احمر وجهہ ثم قال والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الا یمان حتیٰ یحبکم للہ ولرسولہ ثم قال ایہا الناس من آذی عمی فقد آذانی فانما عم الرجل صنو ابیہ (رواہ الترمذی)

تو سرور عالم ﷺ سخت غضبناک ہو گئے حتیٰ کہ غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا پھر فرمایا مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ تمہیں اپنا محبوب سمجھے اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اللہ

تعالیٰ کے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر۔ پھر فرمایا اے لوگو جس نے میرے چچا کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کیساتھ والی شاخ ہوتا ہے (جن کا تنہ اور جڑ ان کا باپ اور اس مرد کا دادا ہوا کرتا ہے لہذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کو تکلیف دے تو اس نے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی۔)

﴿5﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

لا يبغضنا اهل البيت احد الا ادخله الله النار (رواہ الحاکم)

نہیں بغض رکھتا ہم اہل بیت کیساتھ کوئی بھی شخص مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو آتش دوزخ کا ایندھن بنا دیگا۔

﴿6﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

اے عبدالمطلب کی اولاد اور نسل میں نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تمہارے بولنے اور کلام کر نیوالے کو قول و کلام میں ثابت قدمی بخشے اور تمہارے گمراہوں کو راہ راست پر گامزن فرمائے۔ تمہارے جاہلوں کو زیور علم سے آراستہ کرے اور تمہیں ارباب جود و نوال اصحاب شجاعت و بسالت اور رحمت و رحمہ بنائے۔ فلو ان رجلا صفن بين الركن والمقام فصلى وصام ثم لقي الله يبغضنا لاهل بيت محمد ﷺ دخل النار

(رواہ الحاکم خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۶۵)

لہذا اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم (جیسے مقدس مقام) کے درمیان قیام پذیر ہو جائے، نمازیں پڑھے اور روزے رکھے پھر مر کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہو کہ وہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کیساتھ بغض رکھنے والا ہو تو دوزخ میں داخل ہو جائیگا۔

(فائدہ)

الحاصل اہل بیت کی محبت اور مودت اور تعظیم و تکریم لازم اور ضروری ہے اور حضرت

عبدالمطلب کی ساری اولاد جو حلقہ اسلام میں داخل ہوئی اور نبی مکرم ﷺ کی اتباع و اطاعت کی وہ جنتی ہے بلکہ ان کے محبت بھی جنتی ہیں اور ان سے بغض و عداوت رکھنے والے جتنے بھی عبادت گزار کیوں نہ ہوں وہ دوزخی ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اہل بیت کے اہم رکن ہیں اور ان کی محبت و الفت لازم اور ادب و احترام فرض اور ان کی ایذا نبی پاک ﷺ کی ایذا رسانی کے مترادف ہے کیونکہ وہ آپ کے والد گرامی کیساتھ والی شاخ ہیں۔ اگرچہ غزوہ بدر میں بظاہر کفار کی طرف سے اہل اسلام کے خلاف اور بانی اسلام کے خلاف برسر پیکار تھے اور قیدی بھی بنے اور فدیہ ادا کر کے خلاصی حاصل کی تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اولاد عبدالمطلب سے بھی ہوں اور آپ کے والد گرامی کیساتھ والی شاخ بھی ہوں، قدیم الاسلام بھی ہوں اور اسلام کی خاطر جہاد بھی فرما رہے ہوں، غزوہ بدر میں بھی اور اس سے پہلے بھی اور غزوہ احد میں اسلام کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر رہے ہوں تو وہ لامحالہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے بالعموم اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بالخصوص زیادہ محبت و مودت اور تعظیم و تکریم کے لائق ہوں گے اور جنت میں ارفع و اعلیٰ مقام کے مالک ہوں گے بلکہ ان کی مودت و محبت والے بھی جنتی ہوں گے اور بغض و عناد رکھنے والے بھی دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔

اہل بیت کا معنی و مفہوم:

بعض لوگوں نے اہل بیت کے مفہوم کو بہت ہی محدود و محصور کر دیا ہے اور صرف حسنین کریمین، سیدہ فاطمہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اور نبی مکرم ﷺ میں اس کو منحصر کر دیا ہے۔ آپ کے آباء و اجداد کو اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کو بھی اور ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت سے خارج کر دیا ہے جبکہ یہ سراسر ظلم و زیادتی ہے اور تحکم اور سینہ زوری ہے۔ درجات و مراتب کا فرق مسلم امر ہے لیکن دوسرے حضرات کو سرے سے اس فضل و شرف اور خداداد اعزاز و افتخار سے محروم کرنا مومن منصف کی شان سے بعید ہے۔ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذهب

عنکم الرجس اهل البيت ويطهرکم تطهیرا نازل ہی ان کے حق میں ہوئی ہے اور اس قول باری تعالیٰ کا ماقبل اور مابعد بھی ان کے حق میں نازل ہوا اور یہ قول باری تعالیٰ پوری آیت بھی نہیں بلکہ اس کی جز ہے اور ازواج مطہرات کو دیگر مومنات کی نسبت جن امتیازی و انفرادی پابندیوں کا مکلف ٹھہرایا گیا اس کی وجہ اور اس کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح کی پابندیوں سے صرف اور صرف یہ مقصد اور ارادہ ہے کہ اے میرے نبی کے اہل بیت تم سے ہر طرح کے عیب و نقص اور میل کچیل کو دور کر دیا جائے اور تمہیں پاک کر دیا جائے جیسے کہ پاک کرنے کا حق ہے اور یہ حقیقت بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا اور بیت کا لفظ محاورات عرب میں اور ارشادات نبویہ میں جدی برادری کو بھی شامل ہوتا ہے جس طرح ازواج اور اولاد کو شامل ہوتا ہے۔

ترندی شریف کی روایت درج کی جا چکی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجعلہم قبائل فجعلنی فی خیرہم قبیلۃ ثم جعلہم بیوتاً فجعلنی فی خیرہم بیتا یعنی اللہ تعالیٰ نے عربوں کو مختلف قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین قبیلہ یعنی قریش میں پیدا فرمایا پھر قریش کو بیوت اور گھرانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین بیت اور گھرانہ یعنی بنو ہاشم میں پیدا فرمایا لہذا اس حدیث پاک کی رو سے سب ہاشمی اہل بیت ہیں تو لا محالہ بنو عبدالمطلب بھی اہل بیت ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ سوال آپ کے اہل بیت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کون محبوب تر ہے اور عنقریب ذکر کردہ روایات بھی اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ بنو عبدالمطلب بھی اہل بیت ہیں۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ المعات میں فرماتے ہیں کہ اہل بیت کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اول وہ حضرات جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں جن میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔ ثانی،

اہل و عیال آنحضرت ﷺ میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جو کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی شامل ہے۔ ثالث، اہل بیت بمعنی علی المرتضیٰ، سیدتنا فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم بھی استعمال ہوتا ہے اور علمائے کرام اور آئمہ دین نے ان مختلف اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے۔

بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی و بیت ولادت پس بنو ہاشم و اولاد عبدالمطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب و اولاد جد قریب را بیت می خوانند و میگویند خانہ فلاں بزرگ است و ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ اہل بیت سکنی اند و اطلاق اہل بیت بر زنان مرد اخص و اعرف است بحسب عرف و عادت۔ اولاد شریف آنحضرت ﷺ اہل بیت ولادت اند۔

(اشعة اللمعات جلد چہارم ص ۶۹۲)

بیت تین قسم پر ہیں۔ بیت نسب، بیت سکنی اور بیت ولادت۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت ہیں از روئے نسب اور جد قریب کی اولاد کو بیت کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ فلاں بزرگ کا گھرانہ اور خاندان ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت سکنی ہیں اور آدمی کی بیویوں پر اہل بیت کا اطلاق معتاد اور معروف زمانہ ہے اور نبی مکرم ﷺ کی اولاد شریف اہل بیت ولادت ہیں (جن میں آپ ﷺ کی تمام صاحبزادیاں، تمام صاحبزادے اور نواسے بھی داخل ہیں لیکن زہراء پاک اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم ممتاز مقام کے مالک ہیں اور مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اگرچہ چچا زاد بھائی ہیں لیکن زہراء پاک کی زوجیت اور معاشرت کی وجہ سے حکماً اولاد میں داخل ہیں اور ممتاز مقام کے مالک ہیں۔

نیز یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ جد قریب کی اولاد کا اور ازواج کا نیک اور متقی و پرہیزگار ہونا آدمی کے وقار اور شرف و فضل میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے جیسے کہ اولاد کا صالح

اور متقی ہونا لہذا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عند اللہ جو عزت و تکریم اور درجہ و مرتبت ہے اس کا لازمی تقاضا یہی تھا اور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات بھی طہیات و طاہرات ہوں اور خویش و اقرباء بھی۔ اگر مقام انذار اور تحویف میں وارد ارشاد باری تعالیٰ انذر عشیرتک الاقربین میں جدی برادری اور قرابت داخل ہیں یعنی آپ کو جدی برادری کیلئے عذاب خداوند تعالیٰ سے ڈرانے کا اللہ تعالیٰ نے پابند فرمایا ہے تو جب آپ کی طرف سے تبلیغ رسالت پر اجرت و معاوضہ کی طلب کی نفی کی گئی اور قرابتداروں سے مودت و محبت کا وجوب و لزوم بیان کرتے ہوئے قل لا اسالکم علیہ اجرا الا المودة فی القربی فرمایا گیا تو اس میں جدی برادری اور قرابتدار کیوں داخل نہیں ہونگے بلکہ لازمی طور پر اس آیت کریمہ کے مصداق بھی ہونگے لہذا واضح ہو گیا کہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اہل بیت مصطفوی کے اہم فرد ہیں اور ان خصائص و خصائل محمودہ اور شمائل سعیدہ میں سرفہرست ہیں جو ان حضرات کیلئے ثابت ہیں جن پر کلام مجید دلالت کرتا ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ اور ان کی شہادت کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر حزن و ملال اور ان کی قبر انور پر بار بار قدم رنجہ فرمائی اور امت کو زیارت کا حکم اور ان کی طرف سے جواب دیئے جانے کی بشارت اور سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی بار بار ان کے مزار مبارک پر حاضری اور وہاں آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہانا ان کے اہل بیت میں عظیم ترین مقام کے مالک ہونے کے بین اور روشن دلائل ہیں اور اعلیٰ درجات و مراتب پر فائز ہونے کے براہین ہیں۔

بدری مجاہد اور غازی ہونے کی فضیلت:

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں خلفاء اربعہ اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے بعد غزوہ بدر کے مجاہدین کا درجہ و مرتبہ ہے اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ان حضرات میں بہت اہم مقام ہے۔ قرآن مجید نے ان کی شان واضح انداز میں بیان فرمائی ہے اور احادیث نبویہ میں بھی ان کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کی امداد و اعانت کیلئے نازل فرمایا اور

اس امداد و اعانت سے نہ صرف مہاجرین و انصار کے درجات و مراتب کو بلند و بالا فرمایا بلکہ جو ملائکہ اس غزوہ میں شامل ہوئے ان کا درجہ و مرتبہ بھی دیگر ملائکہ پر بلند فرمادیا چنانچہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

﴿1﴾ جاء جبرئیل الی النبی ﷺ فقال ماتعدون اهل بدر فیکم قال من افضل المسلمين او كلمة نحوها قال و کذاک من شهدا بدر ا من الملائكة (رواه البخاری)

حضرت جبرئیل علیہ السلام محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے پس عرض کیا اہل بدر کو تم اپنے اندر کس طرح شمار کرتے ہو (اور انہیں کیا درجہ و مقام دیتے ہو) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم انہیں افضل ترین مسلمانوں میں سے سمجھتے ہیں یا اس جیسا کہ آپ ﷺ نے زبان اقدس پر جاری فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ملائکہ میں سے جو میدان بدر میں حاضر ہوئے تھے ہم بھی ان کو ملائکہ میں سے فضیلت مآب ملائکہ شمار کرتے ہیں۔

﴿2﴾ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا غلام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ان کے متعلق شکوہ و شکایت کیلئے حاضر ہوا تو عرض کر دیا: یا رسول اللہ ﷺ لیدخل حاطب النار فقال رسول اللہ ﷺ کذبت لا یدخلها فانه قد شهد بدر ا والحديبية رواه مسلم یا رسول اللہ ﷺ حاطب ضرور بالضرور دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا ہے وہ آتش دوزخ میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اس نے غزوہ بدر میں شمولیت کی ہے اور حدیبیہ کے مقام پر حاضری دی ہے (اور جہاد کیلئے بیعت کی ہے)۔

﴿3﴾ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے ایک اہم اجتہادی خطا سرزد ہو گئی اور وہ یہ تھی کہ ان کے بال بچے اور اہل و عیال مکہ شریف میں تھے اور یہ مدینہ منورہ میں نبی مکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہجرت کر کے حاضر ہو چکے تھے۔ جب نبی مکرم ﷺ لشکر لیکر مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہونے لگے

تو انہوں نے ایک عورت کے ہاتھ اہل مکہ کی طرف خط روانہ کر دیا جس کا خلاصہ مفہوم یہ تھا کہ آپ لشکر جرار لیکر مکہ شریف کی طرف متوجہ ہیں آپ کا عزم سوائے مکہ کے کسی دوسری طرف مجھے معلوم نہیں ہوتا لہذا اپنی فکر کر لیں۔ نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمادیا آپ ﷺ نے مولائے مرتضیٰ اور تین صحابہ کرام علیہم الرضون ان کے ساتھ بھیج کر فرمایا کہ خاک والے باغ کے پاس ایک عورت جا رہی ہے اور اس کے پاس خط ہے وہ جا کر اس سے وصول کر لو۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے اور اس مقام پر اس عورت کے پاس پہنچ کے خط اس سے زبردستی وصول کر لیا اور آپ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جب پڑھا گیا تو اس میں نبی مکرم ﷺ کی لشکر کشی کی مخبری تھی تو فرمایا اے حاطب یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جلدی میں کوئی فیصلہ نہ فرمانا میری عرض سماعت فرمائیجئے اس کے بعد جو حکم ہو گا وہ میرے سر اور آنکھوں پر۔

عذر یہ پیش کیا کہ دیگر مہاجرین کی مکہ مکرمہ میں قرابتداریاں ہیں جن کی وجہ سے ان کے وہاں پر رہ جانے والے بال بچوں اور اہل و عیال کی حفاظت و نگرانی ہوتی رہتی ہے اور میرا ان قریش کے ساتھ کوئی نسبى تعلق تھا نہیں اور میرے بال بچے بھی وہاں پر موجود تھے تو میں نے سوچا کہ اس طرح کی اطلاع دیکر ان کو مومنوں احسان کر لوں تا کہ وہ میرے مال و منال اور اہل و عیال کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں بلکہ ان کی حفاظت کریں۔ وما فعلت ذالك كفرا ولا ارتدادا عن دینی ولا رضا بالكفر بعد الاسلام میں نے یہ فعل نہ دین کے ساتھ کفر اور ارتداد کی وجہ سے کیا ہے اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر پر رضا مندی کی وجہ سے کیا ہے فقال رسول اللہ ﷺ انه قد صدقکم تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے تمہیں صحیح صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اجازت دیں میں اس منافق کا سر قلم کر دوں (کیونکہ اس کے اقدام سے خود نبی مکرم ﷺ کی ذات اقدس کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ کفار و مشرکین چوکس ہو جاتے اور گھات لگا کر اچانک حملہ آور ہو جاتے تو مومن کہلانے والے کا

ایسا اقدام جو اسلام کیلئے بالعموم اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بالخصوص ایذا و تکلیف کا موجب ہو سکتا تھا اور مقصد کے حصول میں بھی بہت بڑی رکاوٹ بن سکتا تھا اور آپ کی شان بھی اشداء علی الکفار والی تھی تو اس اقدام کو آپ نے حاطب کی منافقت پر محمول فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی کیونکہ انہیں اس اقدام سے غلبہ ظن ہی اس کے نفاق کا حاصل ہوا تھا نہ کہ یقین لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن طلب کیا تا کہ آپ کی طرف سے اجازت مل جانے پر اس ارادہ کو عملی جامہ پہنایا جائے نہ کہ محض اپنے ظن و گمان پر یہ اقدام کیا جائے۔

لیکن رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور باعلام اللہ عالم ماکان و ما یکون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛
انه قد شهد بدرًا وما يدريك لعل الله اطلع على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة وفي رواية قد غفرت لكم فانزل الله تعالى يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم اولياء

(متفق عليه مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

بیشک حاطب بن ابی بلتعہ نے غزوہ بدر میں شمولیت کی ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اہل بدر (کے قلوب پر) مطلع ہوا اور ان کا نگاہ الوہیت سے مشاہدہ فرمایا پس فرمایا جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو یار اور دوست مت بناؤ۔

فائدہ عظیمہ:

جب غزوہ بدر کے عام شرکاء کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مژدہ مغفرت اور بخشش ہے اور ان کیلئے جنت واجب ہے تو جن حضرات کی طرف سے کسی قسم کی تقصیر اور کوتاہی بھی نہیں پائی گئی اور کفار و مشرکین کے خلاف جہاد میں بھی صف اول کے مجاہد ہوں کیونکہ سب سے پہلے

حضرت حمزہ، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کفار قریش کے مقابل جہاد کیلئے نکلے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے بھی ہوں اور خالہ زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی ہوں تو ان کے درجات و مراتب کا اور اجر و ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟

نیز اللہ تعالیٰ جن کا مددگار ہو اور اس کے ملائکہ بھی ان کے مددگار ہوں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور رفاقت کے ساتھ ساتھ حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور ہزاروں ملائکہ کی معیت بلکہ اللہ رب العزت کی بھی معیت خاصہ کا شرف اور اعزاز حاصل ہو تو ان کی عظمت و مرتبت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟

1 ﴿ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِيَدِهِ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ۔

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی جبکہ تم بے سرو سامان تھے۔

2 ﴿ قَالَ تَعَالَى أَذِيوْحَى رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ إِنِّي مَعَكُمْ فَاذْبُتُوا الَّذِينَ آمَنُوا۔

(سورہ انفال)

یاد کرو اے حبیب مکرم اس وقت کو جبکہ آپ کا رب ملائکہ کو حکم دے رہا تھا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں لہذا ایمان والوں کی ڈھارس بندھاؤ۔

3 ﴿ قَالَ تَعَالَى أَذْثَغِيثُونَ رَبُّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ

المَلَائِكَةِ مُرْدَفِينَ (الِی) وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

(سورہ انفال)

یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم اللہ تعالیٰ سے نصرت و امداد طلب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا کو شرف قبولیت بخشے ہوئے فرمایا میں ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی والا ہوں جو یکے بعد دیگرے نازل ہوئی والے ہیں اور ان کی آمد کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مژدہ اور بشارت بنایا ہے اور تا کہ تمہارے دل اس امداد سے مطمئن ہو جائیں اور فی الحقیقت امداد

و نصرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اصحاب بدر کی بقا کا بقائے اسلام ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے دار و مدار ہونا:

قول باری تعالیٰ اذ تستغيثون ربكم جمع کا صیغہ جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سب مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم جو نبی معظم ﷺ کیساتھ غزوہ بدر میں شامل تھے سبھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے لیکن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اصل دعا گو نبی مکرم ﷺ ہی تھے اور تعظیم و تکریم کی وجہ سے واحد کے صیغے کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

لما كان يوم بدر نظر النبي ﷺ الى اصحابه وهم ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا ونظر الى المشركين فاذا هم الف وزيادة فاستقبل النبي ﷺ القبلة ثم مديديه وجعل يهتف بربه اللهم انجز لي ما عدتني اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد في الارض فما زال يهتف بربه مادام يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداؤه

(ج ۹ ص ۱۵۳ مظہری ج ۴ ص ۲۶، ۲۷)

جب غزوہ بدر کے روز نبی رحمت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھا جو تین سو تیرہ یا پندرہ تھے اور مشرکین کو دیکھا جو کہ ہزار سے بھی کچھ زائد تھے (نیز اہل اسلام کی بے سروسامانی اور کفار کا اسلحہ سے مکمل طور پر مسلح ہونا) مشاہدہ فرمایا تو آپ ﷺ قبلہ کی طرف متوجہ

ہوئے پھر دونوں ہاتھ مبارک دراز فرمائے اور رب کریم کے حضور زاری کرنے لگے اور امداد و نصرت کیلئے پکارنے لگے۔ اے اللہ میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرما۔ اے اللہ اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پوری زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائیگی تو آپ ﷺ مسلسل دعا اور زاری کرتے رہے ہاتھوں کو لمبا کر کے قبلہ رو ہو کر حتیٰ کہ آپ ﷺ کے کندھوں سے آپ ﷺ کی چادر مبارک گر پڑی۔

فائدہ:

الغرض اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور پہلے پہل ایک ہزار فرشتے نازل ہوئے پھر دو ہزار مزید نازل ہوئے جو بات اس مقام پر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے صحابہ کی یہ جماعت اگر یہاں ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری پوجا کر نیولا کوئی نہیں ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی منفی رد عمل ظاہر نہیں فرمایا کہ مجھے اپنی عبادت کرانے کیلئے تمہاری اس جماعت کی کیا ضرورت ہے بلکہ ملائکہ بھیج کر ان کی امداد و اعانت فرمائی اور گویا عالم اسباب کے تحت اس امر کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم فرمالیا کہ واقعی زمین میں میری عبادت کئے جانے کا ظاہری طور پر اور عالم اسباب کے لحاظ سے دار و مدار ان صحابہ کرام کی بقاء اور کامیابی و کامرانی پر ہے جس طرح نبی مکرم ﷺ کے سامنے ایک قول یا فعل کیا جائے اور آپ اس پر رد و قدح نہ فرمائیں تو وہ حدیث تقریری بن جاتی ہے یعنی نبی مکرم ﷺ نے اس کی تصدیق و تائید فرمادی ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ دعویٰ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر انکار و اعتراض نہ فرمایا بلکہ ہزاروں ملائکہ بھیج کر ان کی امداد و اعانت فرمائی تو گویا اللہ تعالیٰ نے بھی عالم اسباب ظاہرہ کی رو سے آپ ﷺ کے اس دعویٰ کو تسلیم فرمالیا جس سے عند اللہ اور عند الرسول ﷺ ان مجاہدین بدر کا مرتبہ و مقام دو پہر کے سورج کی طرح روشن اور واضح ہو گیا اور ان حضرات کے سرخیل اور مقدم حضرات میں سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں تو ان کی شان والا اور

مقام بالا بھی اس بیان سے واضح والحمد للہ تعالیٰ اور ان کا ہم پر احسان بھی واضح ہو گیا کہ ہمارا اسلام و ایمان ان کے طفیل ہے اور اس نعمت میں ان کے ممنون احسان ہیں۔

تنبیہ نبیہ:

نبی مکرم ﷺ کا یہ دعویٰ مبارک صرف ہم اہل سنت کی کتابوں میں ہی نہیں ہے بلکہ شیعہ کتب میں بھی یہ قول اور ارشاد نبوی مروی و منقول ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع البیان اور تفسیر صافی۔ عن الباقر علیہ السلام ان النبی ﷺ (الی) اللہم انجز لی ما وعدتہ اللہم ان تہلک ہذہ العصابة لا تعبد فی الارض نیز دوسری روایت میں اس طرح وارد ہے کہ کفار نے ان کی ظاہری بے سروسامانی کو دیکھ کر کہا ان مسکینوں کو ان کے دین نے ذبح کر دیا ہے یہ تو ابھی ابھی سارے قتل ہو جائیں گے تو نبی مکرم ﷺ نے بارگاہ خداوند تعالیٰ میں عرض کیا ان تہلک ہذہ العصابة لم تعبدون شئت وان لا تعبد لا تعبد اگر یہ جماعت صحابہ کی ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت نہیں ہوگی اور اگر تیری مشیت یہی ہے کہ تیری عبادت یہاں پر نہ کی جائے تو پھر تیری عبادت نہ ہی کی جائے ایسے ہی سہی۔ الحق ما شہد بہ الاعداء۔ مجمع البیان ج ۲ ص ۵۲۵، تفسیر صافی ج ۱ ص ۲۳۳۔ گویا وہ لوگ بھی بدری صحابہ کے مدار اسلام ہونے کے معترف تھے ان کے علاوہ بھی بہت سے حوالے ہم نے تحفہ حسینیہ جلد اول میں درج کئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمادیں۔

فضیلت شہادت:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اس کے دین متین کی سربلندی کیلئے اور رسول مقبول ﷺ کی شریعت کی تنفیذ و اشاعت کیلئے اور اس کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کیلئے اور آنحضرت ﷺ کی ذات پاک اور آپ ﷺ کی عزت و عظمت کے تحفظ کیلئے مومن کا اپنی جان تک کو قربان کر دینا بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ جزائے جزیل اور اجر جمیل کا سبب

تام اور شہید کیلئے حیات ابد اور غیر فانی زندگی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا ازلی ابدی کلام قرآن مجید گواہ ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ شاہد صادق ہیں اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق خیر الشہداء اور سید الشہداء ہیں تو لامحالہ ان کے حق میں ثابت اجر و ثواب لامحالہ آپ کے حق میں ثابت ہوگا اور اعلیٰ و ارفع صورت میں ثابت ہوگا۔

اللہ رب العزت نے شہداء کرام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے؛

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔
یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ اقدس اور جہاد میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں اور تیغ جفا سے قتل کئے گئے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔

دوسری آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے ان کی شان حیات کو یوں بیان فرمایا ہے؛

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرَحِينَ
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔

اور گمان بھی مت کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوئی والوں کو مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں درآنحالیکہ وہ فرحت و خوشی منانے والے ہیں اس پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے۔

بیان فوائد:

1 ﴿ بسا اوقات آدمی کے دل میں ایک امر کا ظن و گمان گردش کرتا ہے اگرچہ وہ زبان پر اسے نہ بھی لائے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہدائے کرام کے معاملہ میں دل و دماغ پر بھی کنٹرول کرنے کا اہل ایمان کو پابند کر دیا ہے جس طرح کہ زبان کے ساتھ ان کو مردہ کہنے سے

روک دیا ہے حالانکہ روح پر تو موت نہیں ہے خواہ کسی کی ہو لہذا واضح ہو گیا کہ ان حضرات میں جسمانی حیات بھی ثابت کرنا مقصود ہے نہ کہ فقط روحانی حیات۔

﴿2﴾ نیز قتل کا محل بدن ہوتا ہے نہ کہ روح اور حیات اسی میں ثابت کی جا رہی ہے جس پر قتل وارد ہوتا ہے تو لا محالہ ان حضرات کے اجسام میں حیات و زیست تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے نیز روح مجرد کیلئے رزق دیئے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تو شہداء کو رزق دیئے جانے کی بشارت بھی جسمانی کی دلیل ناطق اور برہان صادق ہے۔

﴿3﴾ علاوہ ازیں روح مجرد جب خود محسوس نہیں اور حواس و مشاعر کے ادراک سے بالاتر ہے تو اس کی حیات بھی بالبداہت اور بالضرورة حواس و مشاعر کے ادراک اور احساس و شعور سے بالا تر ہوگی تو ایسے بدیہی ترین امر کی نفی کرنیکی کوئی ضرورت و حاجت نہیں ہو سکتی تھی تو لا محالہ ان ارواح کے اجسام سے خاص تعلق اور اس کی بدولت ابدان کی حیات خفی بلکہ اخفی اور نظری امر تھی جبکہ نہ دل دھڑکتا محسوس ہو نہ نبض چلتی محسوس ہو اگرچہ کئی دن تک ان کو اسی دنیا میں اور عالم شہادت میں محبوس اور مقید ہی کیوں نہ رکھا جائے پھر بھی نہ خوراک کھانے کی حاجت درپیش ہو اور نہ مشروبات سے استفادہ کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں ان حضرات کی حیات جسمانی کے انکار کا ظن و گمان بھی ہو سکتا تھا اور ان کی موت اور نیستی کے الفاظ بھی زبانوں پر آ سکتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور ارباب اسلام کو اپنے قلوب و اذہان اور دہان و زبان کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا اور ان حضرات کو زندہ و پابندہ سمجھنے اور تسلیم کرنے کا انہیں مکلف ٹھہرایا۔

﴿4﴾ بعض حضرات نے گمان کیا کہ یہ حیات و زیست صرف اور صرف شہداء کرام کے ساتھ مختص ہے تو قاضی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا الحق عندی عدم اختصاصہا بہم بل حياة الانبياء اقوى منهم واشد ظهورا آثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بازواج النبي ﷺ بعد وفاته بخلاف الشهيد۔ والصدیقون ایضا اعلیٰ درجۃ

من الشهداء والصالحون یعنی الاولیاء ملحقون بہم کما يدل علیہ الترتیب فی قوله تعالیٰ الذین انعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشهداء والصالحین ولذا لک قالت الصوفیۃ العلیۃ ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا

(تفسیر مظہری جلد اول ص ۱۵۲)

میرے نزدیک حق حقیق بالقبول یہی ہے کہ یہ حیاتی شہداء کرام کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ ان کی حیات سے بہت قوی ہے اور اس کے آثار خارج میں بہت زیادہ ظہور پذیر ہونیوالے ہیں حتیٰ کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد کسی کا نکاح کرنا جائز نہیں اس کے برعکس شہید کی بیوہ کے ساتھ دوسروں کیلئے ازروئے شرع نکاح جائز ہے بلکہ مقام صدیقیت پر فائز حضرات بھی شہداء کرام سے اس حیات میں ارفع و اعلیٰ مقام کے مالک ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام ان شہداء کرام کیساتھ ملحق ہیں جیسے کہ قرآن مجید میں مذکور ان کی یہ ترتیب (ذکر اس ترتیب رتبہ پر دلالت کرتی ہے کما قال تعالیٰ من النبین الآتۃ کہ سب سے اعلیٰ مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے پھر صدیقین کا اور ان کے بعد شہداء اور صالحین کا اور اسی لئے عالی مرتبت صوفیاء کرام نے فرمایا ہے، ہماری روہیں ہمارے اجسام کی مانند ہیں اور ہمارے اجسام ہماری روہوں کی مانند ہیں یعنی جو قوت و طاقت ارواح میں ہے وہی ہمارے اجسام میں ہے اور تدبیر و تصرف میں یکساں ہیں۔

5 ﴿اور ان دونوں آیات سے دلالت النص کے طور پر انبیاء علیہم السلام کیلئے حیات ابد ثابت ہو جائیگی کیونکہ جب انبیاء علیہم السلام کے غلام اور ان کے دین و مذہب اور شریعت و ملت پر اور ان کے نام پر جانیں قربان کرنے والے زندہ ہیں تو وہ سادات کرام اور مخدومان ملت بطریق اولیٰ زندہ ہونگے اور اعلیٰ ترین حیات کیساتھ موصوف ہونگے۔ اسی دلالت النص کی ترجمانی کرتے ہوئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جیسے کہ حاکم و ابوداؤد نے حضرت اوس بن اوس سے

روایت نقل فرمائی ہے؛

قال رسول الله ﷺ ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء
بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام
مبارکہ کو کھائے۔

علاوہ ازیں اگر کسی کو اللہ رب العزت نے ذرہ بھر عقل و فہم عطا کیا ہو تو وہ بخوبی سمجھ سکتا
ہے کہ جن کے غلام اور ان کے نام پر جان قربان کر نیوالے زندہ جاوید بن جائیں تو وہ آقا اور
مخدوم مرکر مٹی میں ملنے والے کیونکر ہو سکتے ہیں؟ تو لامحالہ وہ صرف زندہ نہیں ہوں گے بلکہ اعلیٰ
ترین اور قوی ترین حیات کے ساتھ زندہ ہوں گے کیونکہ نفس حیات تو بیہوش آدمی میں بھی ہوتی
ہے اور سوئے ہوئے آدمی میں ہوتی ہے اور جس کے ہاتھ اور پاؤں مفلوج ہوں، زبان گنگ اور
کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہوں حیاتی ان میں بھی ہوتی ہے اور جس کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں
ڈال کر جیل میں محبوس اور مقید کر دیا گیا ہو حیات وہاں بھی ہوتی ہے لیکن باہوش و حواس اور بیدار
اور جیتے جاگتے سلیم الاعضاء اور ماذون و مختار اور صاحب تصرف ہستی کی حیات ارفع و اعلیٰ اور مؤثر
تر ترین اور اقویٰ ترین ہوگی اسی طرح کا تفاوت برزخی حیات کے اندر بھی موجود ہے اور عام اہل
برزخ کی حیات اولیاء کرام اور شہداء کرام کی حیات کی برابری نہیں کر سکتی اور ان کی حیات
صدیقین کی حیات وزیست کی برابری نہیں کر سکتی اور صدیقین کی حیات انبیاء علیہم السلام کی
حیات مقدسہ کی برابری نہیں کر سکتی چہ جائیکہ سید الانبیاء اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس اور
زندگانی معالیٰ کی برابری کر سکیں۔

قد تواتر عن كثير من الاولياء انهم ينصرون اولياء هم ويدمرون اعداء
هم ويهدون الى الله تعالى من يشاء الله تعالى۔ (مظہری ج ۱ ص ۱۵۲)

بہت سے اولیاء کرام سے تواتر کیساتھ منقول ہے کہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں

اور ان کے اعداء اور دشمنوں کو نیست و نابود فرماتے ہیں اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اللہ تعالیٰ کے اذن سے انہیں واصل الی اللہ بھی فرماتے ہیں۔

الحاصل جب اولیاء کرام اس قسم کی تدبیرات و تصرفات وصال شریف کے بعد فرماتے رہتے ہیں تو شہداء کرام کے حق میں بھی یہ قوت و طاقت اور تدبیر و تصرف ماننا لازم اور ضروری ہے اور ان سے بڑھ کر صدیقین میں اور ان سے بھی ارفع و اعلیٰ تدبیرات و تصرفات انبیاء علیہم السلام میں تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے۔

فائدہ عظیمہ و نکتہ جلیلہ:

حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ صحابی بھی ہیں، نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں کیونکہ ان کی امی حضرت ہالہ بنت اہیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن تھیں اور بعض روایات کے مطابق سگی بہن ہالہ بنت وہب کے بیٹے ہیں اور بلا واسطہ خالہ زاد بھائی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں کیونکہ ابوہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ انہوں نے بھی پیا تھا جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چچے بھی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے عم الرجل صنو ابیہ آدمی کا چچا اس کے باپ کے ساتھ والی شاخ ہوا کرتا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچوں میں سے صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ بچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہذا بقیۃ آبائی یہ میرے آباء میں سے آخری بچ جانو الا باپ ہے تو لا محالہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا پھر شہادت کا عظیم مرتبہ بھی حاصل فرمایا اور آپ کے بدن اقدس کو حد درجہ تغلیظ و تشدید اور ظلم و تعدی کا نشانہ بناتے ہوئے ناک کان ہونٹ اور زبان کاٹنے کے ساتھ ساتھ سینہ اقدس اور پیٹ مبارک چیر کر قلب و جگر نکال کر اس کو چبایا گیا تو بمقتضائے ان العطایا علی متن البلاء راہ خداوند تعالیٰ میں جو شخص جتنا زیادہ دکھ اور تکلیف برداشت کرے گا اس کو اسی تناسب سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور آپ بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء،

ہیں تو پھر آپ دوسرے شہداء کی نسبت اعلیٰ ترین اجر و ثواب اور کامل ترین بدلہ اور جزاء کے بھی حق دار ہونگے اور اعلیٰ ترین حیات کے ساتھ بھی مشرف ہونگے۔

صحابی کی غیر صحابی پر اجر و ثواب میں فضیلت و برتری کا بیان:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال النبی ﷺ لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل جبل احد ذهباً ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ۔ (متفق علیہ)

نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام کو سب و شتم کا ہدف مت بناؤ (کیونکہ وہ درجات و مراتب میں تم سے بہت ارفع و اعلیٰ ہیں) اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ کرے تو ان کے ایک سیر یا نصف سیر کھجور اور جو کی برابری بھی نہیں کر سکے گا۔ (مشکوٰۃ شریف باب مناقب صحابہ کرام علیہم الرضوان)

ذرا غور فرمائیے کہاں احد پہاڑ کے برابر سونا جو لاکھوں ٹن اور کروڑوں من سے بھی زائد ہو اور دوسری طرف صرف ایک سیر یا آدھ سیر جو یا کھجوریں ہوں تو کروڑوں، اربوں بلکہ کھربوں گنا سے بھی زیادہ کا تفاوت موجود ہوگا تو اگر وہی صحابی اپنا وطن اسلام کیلئے قربان کرے اپنے تمام مال و اسباب اور گھریلو قربان کرے، خویش و اقرباء کی الفت و محبت اور قلبی شیفگی اور پروانگی اسلام اور بانی اسلام پر قربان کرے اور مہاجر و فقیر بننا بطیب خاطر قبول کرے صرف مہاجر ہونے کا اعزاز ہی حاصل نہ کرے بلکہ اپنی جان بھی اسلام اور بانی اسلام پر قربان کرے تو اس کے درجات و مراتب اور مقامات و مدارج اور اجر و ثواب کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے جبکہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی تمام قربانیاں راہ خداوند تعالیٰ میں پیش کی ہیں تو پھر ان کو کروڑوں نہیں صرف اربوں نہیں بلکہ کھربوں جانوں سے بھی زیادہ جانیں اور حیاتیاں بھی ملنی چاہئیں جیسے کہ دوسری قربانیوں کے بدلے میں کھربوں گنا اجر و ثواب ملنا چاہیے۔

عام دستور اور سنت الہیہ :

عام دستور اور سنت الہیہ یہ ہے کہ وہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا عطا فرماتا ہے۔ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها لیکن جہاد کی حالت اس سے مختلف اور جدا گانہ شان رکھتی ہے قال تعالیٰ: مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے اس نفقہ کی حالت ایسے ہے جیسے ایک دانہ (زمین میں بویا جائے تو وہ سات تنکے اگائے) جن پر سات خوشے ہوں اور ہر خوشہ میں سودا نے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے اس قدر اضافہ یا اس سے بھی زیادہ اضافہ فرماتا ہے یعنی جس طرح زمین کو دیئے گئے دانے کو زمین نے سات سو گنا اضافے کیساتھ کاشت کرنے والے کو واپس کیا اور لوٹایا اگر اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زمین اس قدر بڑھا کر واپس کر سکتی ہے تو اس کا خالق اور اس میں صلاحیتیں ودیعت فرمائی والا اس کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کو اس قدر بلکہ اس سے بھی کئی گنا بڑھا کر کیوں نہیں عطا کر سکتا اور حدیث پاک نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سات سو تو کیا سات ہزار سات لاکھ سات کروڑ بلکہ اربوں کھربوں گنا سے بھی زیادہ اضافے کیساتھ اس طرح خرچ کر نیوالے کو واپس دینے کی صرف طاقت وقوت ہی نہیں رکھتا بلکہ بہترے خوش نصیبوں کو ان کے خلوص قلب اور نیک نیتی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کی صورت میں عملی طور پر اس قدر جزاء اور بدلہ اور اجر و ثواب عطا بھی فرمائے گا۔

قرابت نبویہ کا اثر ترقی درجات میں بالخصوص جب صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل بیت کا عظیم فرد ہونے کا شرف بھی حاصل ہو تو پھر دوسرے شہید صحابہ کرام کی نسبت سے آپ کو زیادہ اجر و ثواب ملیگا۔ جس طرح جنگ موتہ میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبہی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ ان کے شہادت پانے کی صورت میں حضرت جعفر بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر ہونے کا اعزاز بخشا اور ان کے شہید ہونے کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر نامزد فرمایا رضی اللہ عنہ۔ اتفاق یہ کہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے بھی تھے اور آپ کو سب سے زیادہ محبوب بھی تھے چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت جعفر اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا یہ مباحثہ نقل کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بارگاہ نبوی میں سب مردوں سے زیادہ محبوب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اپنے دعاوی کا فیصلہ طلب کیا تو محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جعفر تیرا خلق میرے خلق کی مثل ہے اور تیری شکل و صورت میری شکل و صورت کی طرح ہے اور تو میری طرف راغب اور مجھ سے محبت رکھنے والا ہے اور میرے نسب و حسب والے شجرہ سے ہے۔ مولائے مرتضیٰ کو فرمایا: اے علی تم میرے بھائی ہو اور میرے بچوں کے باپ ہو اور میرے ساتھ محبت اور رغبت رکھنے والے ہو اور حضرت زید بن حارثہ کو فرمایا: اما انت یا زید فمولای و منی والی و احب القوم الی ج ۳ ص ۲۴۰ لیکن اے زید تم میرے مولا اور آزاد کردہ غلام ہو اور مجھ سے ہو اور میری نسبت والے اور محبت و رغبت والے ہو اور ساری قوم سے مجھے محبوب تر ہو۔ اس کے باوجود جنت میں حضرت زید کی نسبت حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے بلند درجہ عطا فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رأيت كاني دخلت الجنة فرأيت لجعفر درجة فوق درجة زيد رضي الله عنهما فقلت ما كنت اظن ان زيد ابدون احد فقيل لي يا محمد تدري بمارفعت درجة جعفر قال قلت لا قيل لقراءة ما بينك وبينه۔

ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ج ۳ ص ۲۳۲

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں تو میں نے جعفر رضی اللہ

عنه کا درجہ و مرتبہ زید رضی اللہ عنہ کی نسبت بلند اور فائق دیکھا تو میں نے کہا کہ مجھے تو یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ زید درجہ و مرتبہ میں کسی سے کم ہوگا تو مجھ سے کہا گیا اے محمد ﷺ جانتے ہو کس وجہ سے زید کی نسبت جعفر کا درجہ بلند ہو گیا ہے۔ میں نے کہا مجھے حتمی طور پر معلوم نہیں ہے تو کہا گیا کہ تمہارے اور جعفر طیار کے درمیان جو قرابت اور رشتہ داری ہے اس کی وجہ سے ان کو نسبتاً اعلیٰ درجہ اور مقام عطا کیا گیا ہے۔

الغرض حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جب کئی طرح سے آپ کے قرابتدار ہوں اور محض شرف صحبت پانے والے صحابی نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کا بہت زیادہ تحفظ اور دفاع کرنیوالے ہوں جیسے کہ ابو جہل ملعون کو اس کی گستاخی پر سزا دیتے ہوئے کمان اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھوڑ دیا اور کہا کیا تو ان کو ایذا اور تکلیف پہنچاتا ہے اور سب و شتم کرتا ہے حالانکہ میں ان کا دین قبول کر چکا ہوں اور بعد ازاں آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہو گئے اور ہر مشکل وقت میں امداد و اعانت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور کفار و مشرکین پر ہلاکتیں اور تباہیاں مسلط کیں چنانچہ بدر کے غزوہ میں جب امیہ بن خلف کافر نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے پناہ طلب کی اور آپ اس کو اپنے تحفظ میں لیکر محفوظ مکان تک پہنچانے میں کوشاں تھے تو راستہ میں اس کی نظر آپ پر پڑی جبکہ آپ شتر مرغ کا پر اپنے سینہ پر اپنی زرہ میں سجائے ہوئے تھے تو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ کون شخص ہے تو انہوں نے بتلایا کہ یہ ہیں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ۔ قال ذاك الرجل الذي فعل بنا الافاعيل۔

(البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۸۶، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۱)

یہ وہ مرد ہے جس نے ہمارے اوپر بہت حملے کیے ہیں اور ہمیں ہلاکتوں اور تباہیوں سے دوچار کیا ہے۔

اصابہ میں حضرت علامہ امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، اسلم فی السنة الثانية

من البعثة ولازم نصر رسول الله ﷺ وهاجر معه (الى) لقبه رسول الله ﷺ
اسد الله وسماه سيد الشهداء يقال انه قتل باحد قبل ان يقتل اكثر من ثلاثين
نفسا۔ (ص ۴۰۱، ۴۰۲ جلد اول اصابع)

حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے سال
مشرف باسلام ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی امداد و نصرت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور آپ کے
ہجرت فرمانے (کے عزم و ارادہ کے بعد اور حضرات صحابہ کو ہجرت کی اجازت ملنے) پر آپ نے
ہجرت فرمائی (تا) رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسد اللہ کا لقب دیا اور (شہادت پانے کے بعد)
سید الشہداء کا نام دیا اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے میدان احد میں خود شہید ہونے سے قبل تیس سے
زیادہ کافر اشخاص کو تیغ فرمایا (اور جہنم واصل کیا) تو لا محالہ ایسی قربانیاں دینے والے صحابی اور
قربتدار کا شہید ہونیکے بعد اور اس قدر تکالیف اور شدائد برداشت کرنے کے بعد اعلیٰ ترین مرتبہ
و مقام کا مالک ہونا اور اربوں کھربوں سے بھی زیادہ گناہیاتوں اور زندگیوں کا مالک ہونا لازم
اور ضروری ہے اور اس قدر کثیر التعداد زوجوں کے ایک بدن سے تعلق کے بعد بدن میں جتنی اور
جس قدر عظیم قوت و طاقت اور توانائی اور تدبیر و تصرف اور سماع و مشاہدہ اور جواب سلام اور رد
کلام کے لحاظ سے قوت و طاقت ہونی چاہیے تھی وہ سب آپ کو میسر تھی اور حاصل تھی جیسے کہ ذکر کی
گئی روایات اور دیگر حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

جنت میں شہداء کرام کا مقام بالعموم اور بالخصوص حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقام:

1 ﴿اصبح بن نباتہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛

عن علی قال ان افضل الخلق يوم يجمعهم الله تبارك وتعالى الرسل و افضل
الناس بعد الرسل الشهداء وان افضل الشهداء حمزة بن عبدالمطلب۔

(متدرک ص ۲۱۲)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک تمام مخلوق سے افضل جس دن کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو جمع فرمائے گا رسل کرام اور انبیاء علیہم السلام ہونگے اور رسل کرام کے بعد سب لوگوں سے افضل شہداء ہوں گے اور تمام شہداء سے افضل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہونگے۔

تنبیہ:

صحابی کا قول جس میں عقل و قیاس کو دخل نہ ہو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے تو لامحالہ آپ کا یہ قول بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ مرفوع احادیث اس کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

﴿2﴾ عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب شہداء کرام کے سردار ہیں۔

﴿3﴾ عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛

فقد رسول اللہ ﷺ يوم احد حمزة رضي الله عنه حين فاء الناس من القتال فقال رجل رائته عند تلك الشجرة وهو يقول انا اسد الله واسد رسوله اللهم اني ابرء اليك مما جاء به هؤلاء لابي سفيان واصحابه واعتذر اليك مما صنع هؤلاء من انهزامهم فسار رسول الله ﷺ نحوه فلما راء ي جبهته بكى ولما راء ي ما مثل به شفق ثم قال الا كفن فقام رجل من الانصار فرمى بثوبه قال جابر فقال رسول الله ﷺ سید الشہداء عند الله يوم القيامة حمزة۔

(مستدرک ص ۲۲۰)

نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں موجود نہ پایا جبکہ وہ حرب

وقال سے لوٹے تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے انہیں اس درخت کے پاس دیکھا تھا جبکہ وہ کہہ رہے تھے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شیر ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا شیر ہوں۔ اے اللہ میں تیرے حضور ان لوگوں نے جس امر کا ارتکاب کیا ہے یعنی ابوسفیان اور اس کے معاونین نے میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور میں تیری بارگاہ معلیٰ میں ان لوگوں کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں جنہوں نے میدان کارزار سے بھاگنے والے فعل کا ارتکاب کیا ہے اور ثابت قدم نہیں رہ سکے ہیں۔ (تو اس کی مخبری پر) نبی کریم ﷺ اس طرف چلے جب ان کی پیشانی کو دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے اور جب ان کے ساتھ ہونے والے مسئلہ کو دیکھا تو شدت سے رو پڑے۔ پھر فرمایا ان پر کفن والا کپڑا اور پردہ کیوں نہیں ڈالا گیا تو ایک انصاری اٹھے اور انہوں نے اپنا کپڑا ان پر ڈال دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام شہداء کے سردار اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔

4 ﴿ حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ دخلت الجنة البارحة فنظرت فيها فاذا جعفر

يطير مع الملائكة واذا حمزة متكى على سريره۔

رسول گرامی ﷺ نے فرمایا میں گذشتہ رات جنت میں داخل ہوا اور اس کا نظارہ کیا تو

کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر بن ابی طالب ملائکہ کے ساتھ محو پرواز ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ حضرت حمزہ تخت پر تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔

(فائدہ)

چونکہ سید الشہداء ہیں تو اس لئے شاہی انداز میں تشریف فرما تھے اور جب شہداء کیلئے

جنت میں اعلیٰ مقام اور بلند درجات اور اعلیٰ نعمتیں ہیں تو پھر ان کے سردار کیلئے لامحالہ تمام شہداء کی

نسبت اعلیٰ مقام، بلند ترین درجات اور اعلیٰ ترین انعامات ہونگے

5 ﴿ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربهم یرزقون تو آپ ﷺ نے فرمایا: ارواحهم فی اجواف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تاوی الی تلك القنادیل فاطلع الیهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتہون شیئا قالوا ای شئی نشتہی ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا ففعل ذالك بهم ثلاث مرات فلما راءوا انهم لن یتروا من ان یسئالوا قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلک مرة اخرى فلما راء ى ان لیس لهم حاجة ترکوا (رواہ مسلم)

فرمایا محبوب کریم ﷺ نے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کی روہیں سبز پرندوں کے اندر قرار پذیر ہوتی ہیں ان کیلئے عرش خداوند تعالیٰ کیساتھ معلق قندیلیں رہائش گاہ ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں سیروسیاحت کرتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جھانکا اور دریافت فرمایا کسی اور چیز کی خواہش اور تمننا رکھتے ہو تو انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہو سکتی ہے جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیریں کرتے ہیں۔ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا سوال ان سے فرمایا تو جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کچھ مانگے بغیر نہیں چھوڑے جائیں گے تو عرض کیا ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ہمارے اجسام کی طرف لوٹایا جائے تاکہ تیری راہ میں دوبارہ قتل کئے جائیں تو جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ انہیں مزید کوئی چیز درکار نہیں تو وہ اسی حال پر چھوڑ دیئے گئے۔

6 ﴿ عن المقداد بن معدیکرب قال قال رسول اللہ ﷺ للشہید عندا لله ست خصال یغفر له فی اول دفعة ویرى مقعده من الجنة ویجار من عذاب القبر ویأمن عن الفرع الاکبر ویوضع علی راء سه تاج الوقار الیاقوتة منها خیر من

الدنيا وما فيها ويزوج اثنتين وسبعين زوجة من الحور العين ويشفع في سبعين من اقرباءه (رواه الترمذی)

حضرت مقداد بن معدی کرب سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے فرمایا شہید کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ طرح کے انعامات و اکرامات ہیں۔ شہید ہوتے ہی اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اپنا جنتی ٹھکانا دیکھ لیتا ہے اور اس کو عذاب قبر سے پناہ دے دی جاتی ہے اور قیامت کی ہولناکیوں سے امان دے دی جائے گی اس کے سر پر عزت و وقار کا موتیوں جڑا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ جس کا ایک ایک موتی دنیا و ما فیہا سے بہتر اور قیمتی ہوگا اور بہتر حوران بہشتی موٹی آنکھوں والیاں اس کی زوجیت میں دی جائیں گی اور ستر قرابتداروں میں اس کو شفیع بنایا جائیگا اور اس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔

7 ﴿عن بن عباس رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا صحابه انه لما اصيب اخوانكم يوم احد جعل الله ارواحهم في جوف طير خضر ترد انهار الجنة تاكل من ثمارها وتاوي الى قناديل من ذهب معلقة في ظل العرش لما وجدوا طيب ما كلهم ومشر بهم ومقيلهم قالوا من يبلغ اخواننا انا احياء في الجنة لئلا يزهدوا في الجنة ولا يئسوا عن الحرب فقال الله تعالى انا ابلغهم عنكم فانزل الله تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء الى آخر الآيات (رواه ابوداؤود)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول گرامی ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی جنگ احد میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی روہیں سبز پرندوں کے اندر ٹھہرائیں در آنحالیکہ جنت کی نہروں پر وارد ہوتی ہیں۔ جنتی پھل کھاتی ہیں اور سنہری قندیلین جو عرش خداوند تعالیٰ کے نیچے لٹکی ہیں ان میں رہائش پذیر ہوتی ہیں

جب انہوں نے پاکیزہ کھانا اور پاکیزہ مشروب اور پسندیدہ آرامگاہیں پالیں تو کہا کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو یہ ہمارا پیغام پہنچائے کہ ہم زندہ ہیں جنت میں قیام پذیر ہیں تاکہ وہ جنت میں بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے روگردانی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں خود تمہارا پیغام ان کو پہنچاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونیوالوں کو مردہ مت سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں۔

﴿8﴾ قال رسول الله ﷺ (الٰی) من غزی فی سبیل الله وانفق فی وجه ذالک فله بكل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآیة والله یضاعف لمن یشاء (رواہ ابن ماجہ)

حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوالدردہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم ان بھی حضرات نے رسول گرامی ﷺ سے روایت کی ہے کہ رسول محتشم ﷺ نے فرمایا (تا) جس شخص نے بذات خود اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور اس حالت میں اپنا مال راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ اس مال میں سے ہر درہم کے بدلے میں اس کو سات لاکھ درہم (جتنا اجر و ثواب) عطا فرمائے گا پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے اتنے گنا عطا فرماتا ہے۔

اقول:

جب خرچ کئے گئے مال کی جزاء کا تناسب یہ ہے تو قربان کی گئی جان کی جزاء اور بدلہ کا تناسب کیا ہوگا؟

﴿9﴾ عن فضالة بن عبيد قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول الشهداء اربعة رجل مومن جید الايمان لقی

العدو فصدق الله حتى قتل فذلك الذي يرفع الناس اليه اعينهم يوم القيامة
هكذا ورفع راءه حتى سقطت قلنسوته فما ادرى اقلنسوة عمر ارا دام
قلنسوة النبي ﷺ الحديث

حضرت فضالہ بن عبید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہداء چار قسم ہیں (اول درجے کا) شہید وہ مرد ہے جو مومن ہو عمدہ اور اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتا ہو دشمن سے میدان کارزار میں ملاقات کرے اللہ تعالیٰ (سے ایمان کی صورت میں کئے ہوئے عہد) کو سچا ثابت کر دے حتیٰ کہ جان قربان کر دے یہ وہ بلند مرتبت شہید ہوگا کہ لوگ اپنی نگاہیں اٹھا اٹھا کر قیامت کے دن اسے دیکھیں گے اس طرح پر اور اپنا سر بلند فرمایا حتیٰ کہ آپ کی ٹوپی گر گئی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ (اشارہ کرتے ہوئے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گری یا نبی کریم ﷺ کی ٹوپی گر پڑی۔ اقول: سر کو تھوڑا سا اٹھانے سے تو ٹوپی نہیں گر سکتی تھی لامحالہ بہت زیادہ بلند کرنے پر ہی وہ ٹوپی گری ہوگی۔ اگر عام کامل ایمان والے شہید مومن کی بلندی مرتبت اور رفعت درجت کا یہ حال ہے تو صحابہ کرام بالعموم پھر بالخصوص اہل بیت صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ و مقام کیا ہوگا اور جنہیں نبی کریم ﷺ شہید الشہداء قرار دیں ان کے درجہ و مرتبہ کی رفعت و برتری کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے؟

10 ﴿عن عتبة ابن عبد السلمي قال قال رسول الله ﷺ القتلى ثلاثة مومن جاهد بنفسه وماله في سبيل الله فاذا لقي العدو قاتل حتى يقتل قال النبي ﷺ فيه فذلك الشهيد الممتحن في خيمة الله تحت عرشه لا يفضل النبيون الا بدرجة النبوة الحديث (رواه الدارمي، مشكوة كتاب الجهاد)

عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول الثقلین ﷺ نے فرمایا: مقتولان راہ خداوند تعالیٰ تین اقسام پر ہیں (اولین درجہ و مرتبہ کا مالک) وہ مومن ہے جو بذات خود جہاد

کرے (نہ کہ کوئی نمائندہ بھیجنے پر اکتفاء کرے) اور اپنا مال راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ کرے (دوسروں کے مال پر دار و مدار نہ رکھے)۔ جب دشمن خداوند تعالیٰ اور دشمن رسول ﷺ سے اس کی مڈ بھیڑ ہو تو لڑتے لڑتے شہید ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ بلند مرتبت شہید ہے جو اس آزمائش سے دو چار کیا گیا اور ثابت قدم نکلا وہ عرش خداوند تعالیٰ کے نیچے نصب کئے ہوئے خیمہ میں ہوگا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام بھی اس قسم کے شہید سے صرف درجہ نبوت کے اعتبار سے افضل ہونگے یعنی شہداء کا یہ قسم انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دوسرے درجے میں ہوگا۔ درمیان میں کسی مزید درجہ کی گنجائش نہیں ہوگی۔

الغرض بالعموم کسی بھی دور کے مخلص اور متقی پرہیزگار مسلمان کا اپنا مال اور اپنی کمائی راہ خداوند تعالیٰ میں قربان کرنا بہت ہی بلند مراتب اور اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کا موجب ہے بالخصوص صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سات سو گنا مالی معاوضہ اور جزاء کی بجائے لاکھوں بلکہ کروڑوں اور اربوں کھربوں گنا اجر و ثواب ملے گا جیسے کہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے اور سیر آدھ سیر جو یا کھجور خرچ کرنے والی تمثیل و تشبیہ سے ظاہر ہے اور جب صحابیت کیساتھ ساتھ رسول معظم ﷺ کی قربتداری اور وہ بھی انتہائی قریبی اور کئی وجوہ سے قرابت پر مشتمل ہو تو پھر مالی معاوضہ کا تناسب کتنا بڑھ جائیگا اور ظاہر ہے جس تناسب سے مالی جزاء میں اضافہ ہوگا اس تناسب سے زیادہ نہیں تو کم از کم وہ تناسب تو ضرور بر ضرور جان کی قربانی دینے میں بھی ملحوظ رکھا جائیگا تو اندریں صورت سید الشہداء جو کہ اہم ترین صحابی رسول بھی ہیں اور نبی کریم ﷺ کے پیارے فداکار چچا بھی ہیں اور والدہ ماجدہ کے اعتبار سے نسبی برادر بھی ہیں نیز رضاعی بھائی بھی ہیں تو ان کا مرتبہ و مقام کس قدر بلند و بالا ہوگا؟ وہ اللہ تعالیٰ جانے جو مقامات عطا کر نیوالا ہے یا نبی رحمت ﷺ جانیں جو مقامات دلانے والے اور تقسیم فرمانے والے ہیں۔ کما قال ﷺ لعلہ یعطی و انما انا قاسم یا پھر وہ جانیں جو یہ مراتب حاصل کرنے والے ہیں ہمارے عقول و افکار

کوئی تخمینہ اور اندازہ لگانے سے مکمل طور پر عاجز اور قاصر ہیں۔

تنبیہ اول:

یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تو صدیقین کا درجہ ہے اور شہداء کا درجہ و مرتبہ ان سے مؤخر ہے لیکن مذکورہ روایات میں سے بعض روایات شہداء کے دوسرے نمبر پر ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اسلوب قرآن کے خلاف ہے کما قال فاؤلئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين۔

تو جواب یہ ہے کہ ان مراتب میں مطلقاً تضاد و تخالف نہیں ہے۔ صالح بھی ہو شہید بھی ہو اور شہید بھی ہو اور صدیق بھی ہو اور شہید بھی ہو نبی بھی ہو اور صدیق ہو نبی بھی ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی جام شہادت نوش فرماتے رہے ہیں، کما قال تعالیٰ: يقتلون النبيين بغير الحق وغير ذلك من الآيات نیز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصف امتیاز صدیق اکبر ہونا ہے نہ کہ مطلق صدیق ہونا وہ تو بہتیری تعداد پر مشتمل ہیں ورنہ پھر جمع معرف بلام استغراق ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا تھا لہذا وہ شہداء بھی ہیں اور صدیقین بھی ہیں۔

تنبیہ ثانی:

حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سید الشہداء کا لقب وارد ہے جیسے کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوسری طرف حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا اس تمام امت سے بلکہ ساری امتوں سے افضل ہونا بھی اہلسنت کے ہاں مسلم عقیدہ ہے اور اس پر کتاب و سنت اور اجماع امت شاہد ہیں لہذا بمقتضائے قاعدہ مامن عام الا وقد خص منه البعض یعنی ہر عام میں سے کچھ نہ کچھ افراد مستثنیٰ ہوتے ہیں لہذا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بھی لازماً مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر بھی ہیں اور شہید بھی کیونکہ غار میں جو سانپ نے ڈسا تھا اس کا زہر وصال شریف

کے قریب پھر لوٹ آیا تھا نیز سب سے بڑا جہاد نفس کے خلاف جہاد ہے اور سب سے بڑا شہید اپنے نفس کو قتل کرنے والا۔ مجاہدوں اور ریاضتوں کی تلواروں اور نیزوں سے اور آپ نفس کشی میں اولین نمبر پر ہیں اسی لئے قرآن مجید نے آپ کو بہت بڑا اور سب سے زیادہ متقی قرار دیتے ہوئے فرمایا: **سَيَجْنِبُهَا الْاِتَّقِي الَّذِي يُوْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ** کی تپش و حرارت سے یقیناً دور رکھا جائیگا جو سب سے بڑا متقی ہے جو کہ مال کو راہ خداوند تعالیٰ میں خرچ کرتا ہے مال (کی میل) سے پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ **ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم** بیشک تم سب سے بڑا عزت و توقیر والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ شخص ہے جو سب سے بڑا متقی ہے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ کے مالک ہیں نیز سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان ذوالنورین اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم شہید بھی ہیں اور صدیقیت کے مرتبہ و مقام پر بھی یقیناً فائز ہیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ترویج و اشاعت اور مملکت اسلامیہ کی توسیع اور قیصر روم، کسرائے فارس وغیرہ کے خاتمے اور صلیب کی عبادت اور آتش پرستی کی لعنت ختم کر کے وہاں توحید و رسالت کی آذانیں دلانے والوں، اللہ واحد کی پوجا کرانے والوں اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ ان لوگوں کی گردنوں میں ڈالنے والوں کا مرتبہ و مقام کون مسلمان نظر انداز کر سکتا ہے؟

شہداء کرام کے ارواح مبارکہ کی جنت میں کیفیت اور مقبور ابدان سے تعلق کی کیفیت

تنبیہ ثالث: شہداء کرام کے ارواح مبارکہ جنت میں کس کیفیت پر ہیں اس میں مختلف الفاظ روایات میں وارد ہیں۔

کہیں یہ عبارت ہے **ان ارواح الشهداء فی طیر خضر الحدیث روا الترمذی۔**
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت **تحوّل فی طیر خضر اور حضرت**

عبداللہ بن عمرو کی روایت میں فی صور طیر بیض وارد ہے اور حضرت کعب سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں ارواح الشهداء طیر خضر بعض روایات میں فی جوف طیر خضر اور بعض میں فی حواصل طیر خضر وارد ہے اور اس وجہ سے علماء کرام میں کافی ذہنی انتشار و اضطراب پایا گیا ہے کہ پرندوں کے اندران کے پیٹوں میں ہوں یا خوراک والے پوٹوں میں ہوں تو وہ انتہائی تنگ اور محدود جگہ ہے جو ان کو ملنے والے انعامات و اکرامات کی وسعت کے شایان شان نہیں ہے۔ نیز ان کو پرندوں کی شکل و صورت میں ڈھالنا یہ بھی ان کی عظمت انسانی کے خلاف ہے کیونکہ انسانی شکل و صورت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے اور اس کو خود باری تعالیٰ نے احسن التقویم سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کو جامع کمالات بنا دیا ہے بدن کے لحاظ سے جمادات و نباتات اور حیوانات کی استعدادوں اور صلاحیتوں کا جامع ہے تو روح کے لحاظ سے جنات اور ملائکہ کی استعدادات اور صلاحیات کو اپنے اندر جمع کرنے والا ہے تو پرندوں کی شکل میں اس کو تبدیل کرنا گویا اسے مسخ کرنے کے مترادف ہو جائیگا نیز جب ارواح جنت میں ہوں تو اجسام کی قبور میں زندگی اور سلام و کلام زائرین کا سننا اور ان کو جواب دینا وغیرہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ تو ان روایات کا صحیح مطلب اور مفہوم اور ان کی مراد اور مقصود کیا ہونا چاہیے۔ تو اس ضمن میں علامہ علی القاری کے ارشاد پر ہی اعتماد کرتے ہوئے معروض خدمت ہے:

عندی ان هذا الايراد من اصله ساقط لان التفيق والانحصار لا يتصور في الروح وانما يكون في الجسد والروح اذا كانت لطيفة يتبعها الجسد في اللطافة فتسير بجسدها حيث شاءت وتمتع بما شاءت وتاوى الى ما شاء الله تعالى لها كما وقع لبنينا ﷺ في المعراج ولا تبعه من الاولياء حيث طويت لهم الارض وحصل لهم ابدان مكتسبة متعددة وجدوها في اماكن مختلفة في آن واحد والله على كل شئ قدير۔

میرے نزدیک تنگی اور جھس اور تحدید و محصوریت کا تو ہم ناقابل اعتداد و اعتبار ہے کیونکہ جھس اور قید روح میں ناقابل تصور و تسلیم ہے بہ کیفیت صرف جسم میں متصور ہو سکتی ہے بلکہ روح جب لطیف اور نورانی ہو جائے تو اس کا جسم بھی اس کی اتباع میں لطیف اور نورانی ہو جاتا ہے تو وہ جہاں چاہے جسم کو لے جاسکتا ہے اور جن امور سے چاہے نفع اندوز ہو سکتا ہے اور جس جگہ کو چاہے اپنا مستقر اور ٹھکانہ بنا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کیلئے بطور مسکن و مستقر پسند فرمائے جیسے کہ نبی کریم اور رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معراج میں یہی معجز امور وقوع پذیر ہوا اور ان کے تابعدار اور اطاعت گزار اولیاء کرام کیلئے بھی یہ خلاف معمول امور بطور کرامت پیش آتے رہتے ہیں جبکہ ان کیلئے زمین سمیٹ دی جاتی ہے اور ان کو متعدد مثالی اجساد و اجسام حاصل ہو جاتے ہیں جن کو آن واحد میں مختلف مقامات پر موجود پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔

هذا في هذا السالم المبنى على الامر العادي غالبا فكيف وامر الروح واحوال الآخرة كلها مبنية على خوارق العادات وانما ركب للارواح ابدان لطيفة عارية بدلا عن اجسادهم الكثيفة مدة البرزخ وسيلة لتمتع الارواح باللذات الحسية من الاكل والشرب وغيرهما ليقع النعيم على الوجه الاكمل وعلى طبق الحال الاول -

حالانکہ یہ معجزانہ امور اور بطور کرامات سرزد ہونے والے امور کا تعلق اس جہان آب و گل سے ہے جو کہ اغلب طور پر معمول اور عادت جاریہ اور اسباب معلومہ کے استعمال پر مبنی اور متفرع ہے تو پھر کیا گمان اور زعم ہوگا روح اور عالم آخرت کے متعلق جو کہ خوارق عادات پر مبنی ہے اور اسباب عادیہ اور وسائل معلومہ سے بالکل جداگانہ احکام کا حامل ہے۔

ارواح کاملین اور شہداء کرام کو لطیف اور نورانی اجسام اور کثیف مادہ سے مجرد اجسام کے ساتھ متعلق اس لئے کیا گیا ہے تاکہ برزخ والے عرصہ میں لذات حسیہ یعنی کھانے پینے وغیرہ

کیساتھ نفع اندوز ہو سکیں تاکہ وہ نعمتیں ان کو کامل ترین طریقہ پر اور دنیوی طرز و طریق پر حاصل ہو سکیں۔

ولیس المراد ان ارواح المؤمنین فی اجواف طیر احياء بارواح اخر حتى يلزم منه محذور عقلى وهو كون الروحين فى جسد واحد۔

اور یہ مراد نہیں ہے کہ مومنین کی روہیں ایسے پرندوں کے اندر ہوتی ہیں جو دوسری روہوں کیساتھ زندہ ہوں تاکہ اس سے عقلی طور پر کوئی استحالہ لازم آئے اور وہ یہ کہ دو روہیں ایک جسم میں (مداور متصرف) ہوں (اور اس جسم میں دو حیاتیں موجود ہوں)

جن لوگوں نے اس شبہ و توہم کی بناء پر ایسی روایات کا انکار کر دیا تھا ان کا رد کرتے ہوئے علی قاری علیہ الرحمۃ نے ابن دحیہ کے حوالے سے فرمایا کہ انہوں نے کہا ہے کہ ان کا قول سراسر جہل ہے اور حقائق سے بے خبری پر مبنی ہے اور سنت ثابتہ اور حدیث صحیح پر اعتراض ہے کیونکہ اس فرمان نبوی کا معنی و مفہوم ظاہر اور واضح ہے۔

فان روح الشهيد الذى كان فى جوف جسده فى الدنيا يدخل فى جوف جسده آخر كانه صورة طائر فيكون فى هذا لجسد الاخر كما كان فى الجسد الاول و ذالك مدة البرزخ الى ان يبعثه الله تعالى يوم القيامة كما خلقه انما الذى يستحيل فى العقل قيام حياتين بجوهر واحد فيحيا الجوهر بهما جميعا و امار و حان فى جسد واحد فليس بمحال اذ لم تتداخل الاجسام فهذا الجنين فى بطن امه و روحه غير روحها وقد اشتمل عليها جسد واحد۔

کیونکہ شہید کی روح جو بدن خاکی میں دنیا میں قرار پذیر تھی وہی دوسرے جسم میں داخل کر دی جاتی ہے گویا کہ وہ پرندہ کی صورت ہے تو اب اس جسم میں قرار پذیر ہوگی جیسے کہ جسد خاکی میں قرار پذیر تھی اور یہ صورت حال برزخ کے عرصہ میں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس بدن کو قبر سے

برآمد فرمایا گا جیسے کہ پہلے پیدا کیا تھا (تو پھر اس میں قرار پذیر ہوگی) اگر از روئے عقل محال ہے تو وہ ہے دو حیاتوں کا جو ہر واحد کیساتھ قائم ہونا تاکہ وہ دونوں کے ذریعے زندگی پائے لیکن دو روحوں کا ایک جسم میں موجود ہونا بالکل محال نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی تداخل اجسام والی صورت نہیں ہے۔ یہ دیکھو جنین ماں کے پیٹ میں ہے اور اس کی روح ماں کی روح سے مختلف ہے اور اس کی ماں کا جسد واحد دونوں پر مشتمل ہے اور دونوں کو محیط ہے۔

وهذا ان لو قيل لهم ان الطائر له روح غير روح الشهيد وهما في جسد واحد فكيف وانما قيل في اجواف طير خضر اى في صورة طير كما تقول رايت ملكا في صورة انسان ولهذا في غاية البيان والله المستعان
(مرقاۃ جلد ۴ ص ۳۱، ۳۲)

اور یہ عقلی شبہ بھی اس صورت میں لاحق ہو سکتا تھا جب کہا جاتا کہ اس پرندہ کی روح الگ ہے اور شہید کی روح الگ ہے اور وہ دونوں ایک ہی جسم کی صورت میں قرار پذیر ہیں تو کس طرح یہ شبہ یہاں وارد ہو سکتا ہے جبکہ کہا گیا ہے کہ شہداء کرام کی روہیں سبز پرندوں کے بطون اور اجواف میں یعنی صورتیں ان اجسام کی سبز پرندوں جیسی ہونگی جیسے تو کہے کہ میں نے فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھا ہے (تو اس کا یہ مطلب کوئی بھی عقلمند نہیں سمجھتا کہ ایک بدن انسانی کیساتھ ملکی اور انسانی دونوں روحوں کا تعلق تھا) امام محمد بن یوسف صالحی نے سبل الہدیٰ والرشاد میں اکابرین کے حوالے سے اسی طرح تحقیق فرمائی ہے؛

حافظ ابوالقاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرمایا؛

فان روح الشهيد الذى كان في جوف جسده في الدنيا يجعل في جوف جسده آخر كانه صورة طائر فيكون في هذا الجسد الآخر كما كان في الاول الى ان يعيده الله تعالى يوم القيامة كما خلقه۔
(جلد ۴ ص ۲۵۴)

شہید کی روح جو کہ اپنے دنیوی جسم میں تھی اس کو دوسرے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے گویا کہ وہ طائر کی صورت میں ہے تو وہ دوسرے جسم میں اسی طرح مدبر اور متصرف ہوتا ہے جیسے کہ پہلے جسم میں مدبر و متصرف تھا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ اسی حالت پر لوٹائیگا جس حالت پر اس کو پیدا فرمایا تھا۔

اور بعض حضرات کے حوالے سے فرمایا:

ان الروح متشکل طائر افلا شبه ان لمقصود بذالك القدرة على الطيران فقط لا في صورة الخلقة لان شكل الآدمي افضل الاشكال۔
یعنی خود روح انسانی طائرانہ شکل میں متشکل ہو جاتی ہے تو زیادہ مشابہ بالحق یہ ہے کہ اس سے مقصود فقط پرواز کی قدرت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا فانا پہنچنے کی استطاعت بیان کرنا ہے نہ کہ تخلیق اور شکل و صورت کے لحاظ سے پرندہ ہونا کیونکہ آدمی کی شکل و صورت تمام صور و شکل سے افضل اور احسن ہے (کما قال تعالیٰ لقد خلقنا الانسان في احسن تقویم) ابن برجان نے الارشاد میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور سہیلی کا کلام اس کا مؤید ہے۔

اقول:

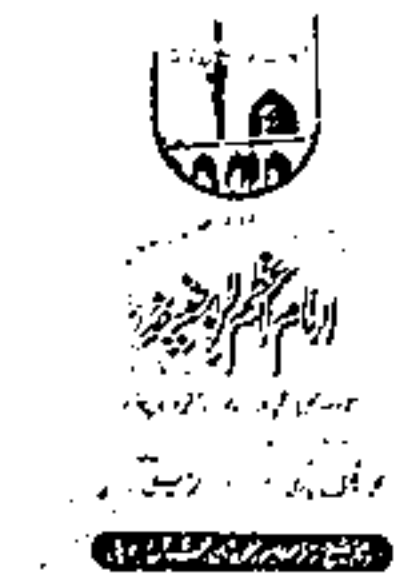
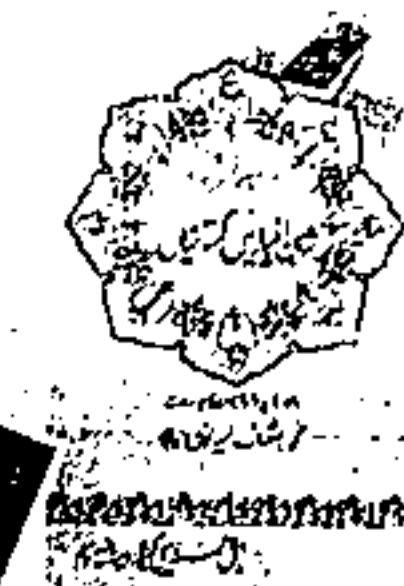
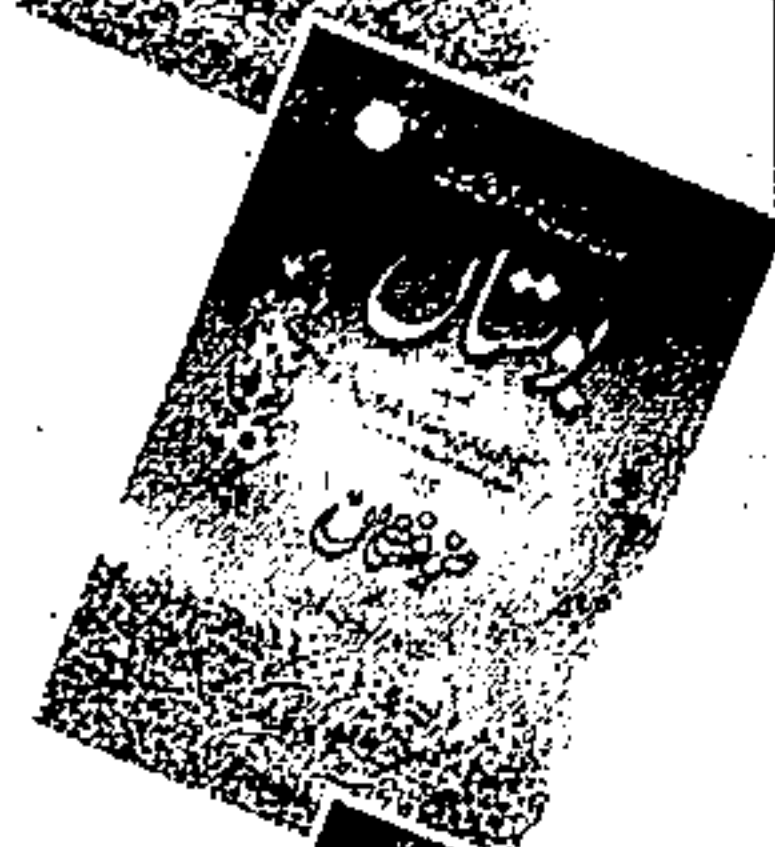
مختصر الفاظ میں اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ روح شہید کو مثالی بدن عطا کیا جاتا ہے جس کی شکل و صورت انسانی ہوتی ہے اور دنیوی بدن کے مماثل اور اس کی شکل و صورت پر اور طیران و پرواز کی قوت کے لحاظ سے ملائکہ کے مشابہ اور مماثل ہوتا ہے اسی لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھائی جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے دیکھا اور حضرت حمزہ کو تخت پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ اگر ان بدن کی شکل و صورت دنیوی اجسام والی نہ ہوتی تو ان کو جعفر اور حمزہ کے اسماء مبارکہ سے تعبیر نہ کیا جاتا اور اگر اس میں طیران اور پرواز کی صلاحیت نہ ہوتی تو حالت پرواز میں نہ ہوتے۔

الغرض سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی روح اقدس اربوں کھربوں ارواح کی قوت و توانائی کی مانند قوت و طاقت اور توانائیوں اور استعدادوں کی بھی مالک ہے اور جنات میں اعلیٰ ترین مقام کی مالک ہے اور طرح طرح کے انعامات سے بہرہ ور ہے اور قبرانور کے ساتھ بھی اس کا ربط و تعلق ہے اور جسد اطہر میں کامل ترین حیات اور اعلیٰ ترین علم و ادراک کی بھی موجب ہے اور حاضرین اور زائرین کے علم و شعور اور ان کے سلام و کلام کے سماعت فرمانے کا موجب و باعث بھی ہے اور جواب دینے اور کلام فرمانے کا دار و مدار بھی ہے اور بعض خوش نصیبوں کو ایسے سلام و کلام سے بھی مشرف فرماتے ہیں کہ وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور ہم کلامی کا شرف اور اعزاز حاصل کر لیتے ہیں اور بعض حضرات کو قیمتی مشوروں سے بھی نوازتے ہیں اور آپ کے غلاموں کے درجہ کے اولیاء کرام علیہم الرضوان اگر کائنات میں تصرف کے ماذون ہوتے ہیں اور مدد کے خواستگاروں کو امداد و اعانت سے مشرف فرماتے ہیں جیسے کہ فالمدبرات امرا کے تحت مفسرین کرام نے تصریح فرمائی اور مدثین حضرات نے بھی اس امر کو تسلیم فرمایا ہے (اور بندہ نے جلاء الصدور اور ہدایۃ المتمدن بذب الحیران میں ان اکابرین کے ارشادات کثیر تعداد میں نقل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے) تو ان کے مخدوم و مولیٰ اور مقتدی و امام کی اس شان تدبیر و تصرف اور نصرت و معاونت اور امداد و اعانت کا انکار کون مسلمان کر سکتا ہے۔

هذا والحمد لله تعالى على انعامه و احسانه و الصلوة
والسلام على مظهر صفاته و کمالاته و منبع فيوضه و برکاته
وعلى آله الاطهار و اصحابه الاخيار و اولياء امتہ الابرار
والتابعين لهم بالا حسان الى يوم القرار۔

ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ادارے کی دیگر مطبوعات



تَفْہِیْمُ الْاِسْلَامِ فَاؤْنْدِیْشَن
جَامِعۃ رَضْوِیَہ اَحْسَنُ الْقُرْآنِ دِیْنِہ

